خانقاہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان

ماہنامہ ملّیہ

فیصل آباد پاکستان

جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ

بمطابق مارچ 2014ء

www.milliafsd.com

کلمۃ الحبیب

- طالبان، طالبان، طالبان
  ابنیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی
- مجالس حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ
- شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ
  کی زندگی ایک نظر میں
  ڈاکٹر خالد محمود سومرو
- تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں
  ابنیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی
- کارپوریٹ سرمائے کا لٹریری فیسٹول اور یا مقبول جان
- بچوں کے صفحات

مدیر اعلیٰ و سرپرست

ابنیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ

مولانا محمد کشیر رحمۃ اللہ تعالیٰ

قطب الاقطاب حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب قدس سرہٗ

داعیِ اہلِ سُنّت ، مُحمّد کشیر — عالمِ باعمل ، مردِ روشن ضمیر
جانشینِ امیرِ کبیرؒ[1] شہیر — پیروِ راہِ آں ھادیٔ کاشمیر
فاضلِ دیوبندؒ[2] و وَلیِّ خُدا — مُصلحِ تبّتِ خُرد ، شیخِ کبیر
آں نجُستہ خِصال و سُتودہ صِفات — حاملِ دولتِ فقر و خیرِ کثیر
فیضِ علمی زِ انورؒ[3] شہِ بے مثال — ہم زِ سیّد حُسینؒ[4] احمدِ بے نظیر
شیخِ الیاسؒ[5] و از شیخ عبدالشکورؒ[6] — باطن و ظاہرِ اُو شدہ مُستنیر
بالیقین بُود اُو یادگارِ سَلَف — اہلِ اسلام را ہمصفیر و سفیر
صاحبِ خُلق ، خیلے کریم و حلیم — گفتگو اش ملائم ، سُخن دلپذیر
ساکنانِ سکردو و خپلو ہمہ — حُسنِ اخلاقِ اُو را مُطیع و اسیر
خادمِ اہلِ بیتؓ و صحابہؓ بسے — عاشقِ مُصطفٰےؐ بُود غایت کثیر
ظُلمتِ رفض از نورِ اُو پاش پاش — ذاتِ اُو بلتیاں را سراجِ مُنیر
غازی و زاہد و عبدِ شب زندہ دار — صائمِ لذّت اندوزِ نانِ شعیر

باد مغفورِ ربِّ غفور اے نفیس
بہرِ جاہِ رسولِ بشیر و نذیر

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

---

[1] شاہِ ہمدان امیرِ کبیر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۸۶ھ) ہادیٔ کشمیر

[2] دارالعلوم دیوبند (ضلع سہارنپور، ہند)

[3]، [4] خاتم المحدثین حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہٗ اور شیخ الاسلام مولانا سید حُسین احمد مدنی قدس سرہٗ سے حدیث شریف پڑھی۔ زیادہ تر شاہ صاحبؒ سے پڑھا۔

[5] رئیس التبلیغ بانیٔ تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا اور طریقۂ تبلیغ سیکھا۔

[6] امام اہلِ سُنّت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تردیدِ شیعیت کی تعلیم حاصل کی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

ملّیہ

فیصل آباد پاکستان

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے۔

فہرست مضامین

کلمۃ الحبیب

- طالبان، طالبان، طالبان — ابنِ انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی — 2
- مجالس سید الطائفہ، شمس الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ — 7
- شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی زندگی ایک نظر میں — ڈاکٹر خالد محمود سومرو — 9
- تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں — ابنِ انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی — 22
- کارپوریٹ سرمائے کا لٹریری فیسٹول اور یا مقبول جان — 43
- بچوں کے صفحات — 46

جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ — جلد نمبر 10

بمطابق

مارچ 2014ء — شمارہ نمبر 5

بیاد

حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ

خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ

بفیض

حضرت سیّد نفیس الحسینی

رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ و سرپرست

ابنِ انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

مدیر: حمید الرحمٰن لدھیانوی

نائب مدیر: جمال الرحمٰن لدھیانوی

فی شمارہ 25 روپے — پاکستان میں سالانہ 300 روپے

سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 45 امریکی ڈالر

رابطہ کے لیے

ماہنامہ ملّیہ — جامعہ ملّیہ اسلامیہ

محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد

041-8711569

0321-6611910

ناشر..... حبیب الرحمٰن لدھیانوی — مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد — Decl No. 3483-85

کلمۃ الحبیب

طالبان، طالبان، طالبان

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

طالبان اور حکومت کے درمیان مذکرات کے لئے اچھے بھلے رابطے بحال ہو چکے تھے کہ اچانک امریکی سینٹرل کمان کے جنرل لائڈ جے آسٹن آ ٹپکے، اور اس کے بعد لگتا ہے کہ فوجی اپریشن کا فیصلہ کرلیا گیا، اسی لئے شمالی وزیرستان پر ہوائی حملے شروع کئے جا چکے ہیں، اور آہستہ آہستہ اس میں تیزی آتی جارہی ہے۔ دوسری طرف کچھ عرصہ سے ہر ٹی وی ٹاک شو، ہر نیوز بلٹن، ہر اخبار، ہر بیٹھک، ہر چوک میں ایک ہی لفظ زبان زدِ عام ہے، وہ ہے ''طالبان''۔

یہ ایک دفعہ نہیں بلکہ بار بار دوہرایا جارہا ہے۔ سوائے اس کے کہ اسی لفظ کو دوہرایا جائے اور کوئی کام کی بات پلّے پڑتی نظر نہیں آتی۔ کسی کی طرف سے مثبت بات سننے کو نہیں ملتی۔ ہر شخص اس لفظ کی آڑ میں شعلے بھڑکاتا دکھائی دیتا ہے۔ ایم کیو ایم برطانیہ میں عمران فاروق کے قتل میں ملوث اپنے قائد کو بچانے کے لئے اور بیرون پناہ دہندہ آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے طالبان کے خلاف بھرپور طریقہ سے ریلیاں نکال رہی ہے۔

لگتا ہے کہ ہم نے اپنے تمام خفیہ راز عوام الناس پر مشتہر کرنے کا پروگرام بنا کر ان مذکرات کو ناکام بنانے کا عزم کرلیا ہے۔ یعنی ''راز کی بات ہے مگر جلسہ عام میں بتائی جائے گی'' جیسا معاملہ ہے۔ دنیا میں جنگوں کے معاہدے اکثر عوام الناس سے خفیہ اور بعض اوقات عوام کے لئے ناپسندیدہ بھی ہوتے ہیں، مگر امن کی خاطر یہ کڑوے گھونٹ پینے پڑتے ہیں۔

ہم اور کچھ نہیں تو معاہد حدیبیہ ہی کو لے لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے کفار کی وہ تمام شرائط منظور کر لیں جو کہ بظاہر مسلمانوں کی بے عزتی کا باعث بنتی تھیں۔ مگر اللہ نے اس کے نتائج بہت ہی اچھے کر دکھا۔ وجہ اس کی صرف خلوص ہی تھا اور کچھ نہیں۔ ہماری ہاں خلوص نہیں بلکہ فلوس کا معاملہ ہے۔ وہ لوگ جن کی باہر سے روزی روٹی لگی ہوئی ہے ان کو اپنی اس رعایت کے بند ہونے کا ندیشہ ہے۔ کیونکہ وہ دینے والے ہمارے ملک میں امن دیکھنا نہیں چاہتے۔

طالبان ہوں یا ہمارے ملک کے مقتدر ادارے۔ یہ دونوں ہی ہمارے ہیں، ان دونوں سے ہم قطع تعلق نہیں کر سکتے۔ فوج ہو یا سول سروس، طالبان انہی سے ہیں انہی کی پیداوار ہیں اور اب انہی کے غلط طرز عمل سے طالبان بگڑ رہے ہیں۔ جیسے بچے اپنے بڑوں کے طرز عمل سے بگڑ جاتے ہیں۔ لیکن سمجھدار ماں باپ اپنے بچوں سے دشمنوں جیسا سلوک نہیں کرتے۔ ہمارے مقتدر اداروں نے جہاد کے نام پر ملک کے مذہبی نوجوانوں کو پالا پوسا، ان کو دنیا کی ایک بڑی طاقت کے ساتھ لڑوایا دیا۔

اپنے فوجی بچائے، اور غریبوں کے بچے مروائے، اور اپنا دھن دولت بنایا اور پھر اپنی اولادوں اور جائیدادوں کو بیرون ملک منتقل کر دیا۔ پھر جب ایک دوسری طاقت میدان میں اتری تو ہم نے پھر اس طاقت سے مال کھا کر انہی بچوں کو اس طاقت سے مروانے کا پروگرام بنایا۔ مگر انہی سر پھروں نے افغانستان میں اس بڑی طاقت کو شکست دیدی تو ہمارے مقتدر اداروں میں بیٹھے ہوئے ان لوگوں کے مفادات سامنے آ گئے۔ انہوں نے ان سر پھرے بچوں کو اس طاقت کے حوالے کرنے کا سوچا۔ مگر وہ طاقت بڑی سیانی نکلی اس نے یہ کہہ کر ہماری طرف دھکیل دیا کہ تم نے تو ہم سے ان بچوں کا مارنے کے لئے بڑی رقم لی ہے، اب ان کو تم ہی سنبھالو! نتیجہ سامنے ہے۔

ہمارے ملک کی فوج ہو، عوام الناس ہوں، مقتدر ادارے ہوں یا طالبان۔ یہ سب ہمارے ہی ہیں، کوئی بھی دوسری دنیا کی مخلوق میں سے نہیں ہے۔ ہم نے خود ہی ان معاملات کو دیکھنا ہے، خود ہی فیصلے کرنے ہیں، خود ہی امن کی راہ کو تلاش کرنا ہے۔ ہمارے علاقائی حالات کو ہم نے خود ہی جانچنا

ہے۔کوئی باہر سے آ کر ہماری مدد نہیں کرے گا۔کسی کو ہمارے امن سے دلچسپی نہیں ہے۔کوئی اگر ہمارے ساتھ کسی قسم کا تعاون کرتا ہے تو اپنے مفاد کے لئے۔جہاں ہمارے ملک کے حکومتی اداروں کی ذمہ داری بنتی ہے وہاں طالبان کی بھی ذمہ داری بنتی ہے۔آخر وہ بھی اسی دھرتی کی اولاد ہیں،وہ اسی دھرتی میں شریعت کے نفاذ کی باتیں کرتے اگر یہ دھرتی ہی نہ رہی تو وہ شریعت کہاں نافذ کریں گے۔انہیں ایسے کام نہیں کرنے چاہییں جس سے مزید دوریاں پیدا ہوں۔اگر کوئی ان کی حراست میں آ جاتا ہے تو اس کے ساتھ وہ سلوک نہ کریں جو کہ ان کی اور اسلام کی بدنامی کا باعث ہوں۔

ہماری حکومت نے چالاکی کے ساتھ طالبان سے مذاکراتی ٹیم کا انتخاب اپنی حکومت سے نہیں کیا،کسی بھی وزیر یا اسمبلی ممبر یا کسی افسر کو مذکراتی ٹیم کا ممبر نہیں بنایا۔بلکہ حکومت نے مذکراتی ٹیم کے ممبر میڈیا سے پکڑ کر وہ لوگ بنائے جو کہ طالبان کے ساتھ دلی ہمدردی رکھتے ہیں۔جو کہ طالبان کے خلاف آپریشن کی ہمیشہ سے مخالفت کرتے نظر آئے ہیں۔

مگر ۲۳ر فوجیوں کے قتل کے بعد اب مذکراتی ٹیم کے وہی ارکان مذبذب نظر آ رہے ہیں۔میڈیا میں بیٹھے ہوئے طالبان اور ملک دشمن عناصر تو پہلے ہی اس تاک میں تھے کہ طالبان سے کوئی ایسا عمل سرزد ہو تو اس کا بتنگڑ بنا کر دنیا میں پیش کیا جائے،لہذا اب ان لوگوں کے ہاتھ موقع آ گیا اور اب وہ اس پر تندہی سے کام کر رہے ہیں۔مخالفانہ میڈیا کے باوجود طالبان کے لئے دنیا میں ایسا مہلک پروپیگنڈا نہیں ہو سکا جو کہ اس واقعہ کی وجہ سے ہوا۔

طالبان کی سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ حکومت پاکستان نے باقاعدہ ان کو فریق تسلیم کر کے مذکرات پر آمادگی ظاہر کر دی تھی۔جبکہ اس سے پہلے کی حکومتیں طالبان کو اپنا فریق نہیں بلکہ اپنا باجگزار سمجھتی تھیں۔اس سے طالبان سے پہلے مذاکرات کسی پولیٹیکل ایجنٹ کے ذریعہ ہوا کرتے تھے،اب باقاعدہ حکومت نے طالبان کو ریاست کے مقابلے میں ایک فریق کی حیثیت دیدی ہے۔اس سے پہلے دنیا کو طالبان کے موقف کو سمجھنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔طالبان کو چاہیے تھا کہ کوئی ایسا

طریقہ اختیار کرتے کہ مذکرات کے ذریعہ دنیا کے سامنے ان کا مثبت موقف نظر آتا۔ طالبان پاکستان کے آئین کو غیر اسلامی قرار دینے کی بجائے مذکرات میں صرف اس آئین کی اسلامی شقوں پر عمل درآمد کا معاہدہ ہی کروالیتے تو یہ بھی ان کی سب سے بڑی اخلاقی اور سیاسی کامیابی تھی۔

دوسری طرف حکومت کی طرف سے آئین کو ماننے اور ہتھیار پھینکنے اور جنگ بندی کی ضد بھی غلط ہے۔ اس لئے کہ لڑائی ہی آئین پر عمل نہ کرنے کی بنیاد پر ہو رہی ہے۔ اگر آئین پر عمل ہو رہا ہوتا تو شاید نوبت یہاں تک نہیں پہنچتی۔ یہی وجہ طالبان کے فہم کے مطابق آئین کے اسلامی نہ ہونے کی بنی ہے۔ اگر آئین پر عمل درآمد ہوتا تو شاید طالبان کی طرف سے آئین تسلیم نہ کرنے بات نہ کی جاتی۔ طالبان نے آئین نہیں پڑھا اور نہ انہیں پڑھایا گیا ہے، اور نہ ہی کسی ملک کا ہر شہری آئین کو پڑھتا ہے، آئین کی ورق گردانی آئین بنانے اور اسے نافذ کرنے والے ہی پڑھتے ہیں، عام آدمی تو آئین اور قانون پر عمل درآمد کو دیکھتا ہے۔

ہمارے ملک میں جس طرح آئین و قانون سے کھیلا جا رہا ہے یہی عمل عام آدمی کو آئین سے برگشتہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ دنیا کے اندر کوئی بھی مخالف دوسرے کے آئین کو تسلیم کر کے مذکرات نہیں کرتا۔ بلکہ مذاکرات کے ذریعہ ہی آئین کو تسلیم کرایا جاتا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کے دور میں معاہدہ حدیبیہ میں کفار نے محمد مصطفٰے کو محمد رسول اللہ ﷺ ماننے سے انکار کر دیا، معاہدے میں محمد ﷺ کو رسول لکھنے پر ہی تو کفار کی طرف سے اعتراض تھا۔ کفار نے کہا تھا کہ اسی لفظ رسول اللہ ﷺ پر ہی تو اختلاف ہے، اگر اس کو مان لیا جائے تو ہماری لڑائی ختم ہو جاتی ہے۔

مذکرات نام ہی اس چیز کا ہے کہ تحمل کے ساتھ مخالف فریق کو اپنا نقطہ سمجھا دیا جائے۔ اگر آپ پہلے کسی کو اپنا نقطہ نظر ماننے کے لئے زور دیں گے تو وہ آپ کی بات کبھی نہیں سمجھے گا۔

لہذا دونوں فریقوں کے لئے اب سنہری موقع ہے کہ بغیر کسی مطالبے اور شرط کے ایک دوسرے کے موقف کو سنیں اور سمجھیں، پھر ہی کوئی بات آگے چل سکتی ہے۔ آجکل رابطوں کا سب سے

بڑا ذریعہ میڈیا کو بنا دیا گیا، جو کہ اپنی من مرضی کی تشریح کر کے آگے بات کو پہنچاتا ہے، اور فریق مخالف تک بات پہنچنے سے پہلی ہی بگڑ چکی ہوتی ہے۔

اس کے لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ میڈیا پر سختی سے پابندی عائد کر دی جائے، جب تک کوئی فیصلہ نہیں ہو جاتا اس وقت تک کسی بات کو عوام الناس میں مشتہر نہ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ مذاکراتی عمل میں ان لوگوں کو شامل کیا جائے جو کہ طالبان کی نفسیات، ان کے احساسات اور طریقہ کار کو سمجھنے والے ہوں، اور ان پر اثر انداز ہوں۔

ہم نے کہیں پڑھا تھا کہ حضرت علیؓ کے پاس ایک عورت آئی، اس نے کہا کہ میرا بچہ کنوویں کے قریب کھیل رہا ہے، جب ہم اس کو اپنی طرف بلاتے ہیں تو وہ کنوویں کی طرف بھاگ جاتا ہے ہمیں خطرہ ہے کہ وہ کنوویں میں نہ گر جائے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم اپنے بچے کو خود نہ بلاؤ اس کی طرف کوئی دوسرا بچہ بھیجو، تمہارا بچہ دوسرے بچے کو دیکھ کہ اُسی کی طرف آ جائے گا۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اپنے بچے کو کنویں میں گرنے سے بچا لیا۔ اسی طرح مذاکراتی عمل میں ایسے لوگوں کو شامل کیا جائے جو کہ طالبان کی نفسیات کو سمجھتے ہوں۔ مثلاً علماء یا نوجوان محبّ وطن جہادی طلباء کا ایک پینل بنا دیا جائے، اور ان کو مذکرات اور اس کے طریقہ کار میں آزاد چھوڑ دیا جائے، اور پھر انتظار کیا جائے, مجھے قوی امید ہے کہ کوئی نہ کوئی مثبت حل نکل آئے گا۔

ورنہ طالبان، طالبان، طالبان کہتے کہتے وقت گزر جائے گا اور پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔

(((((())))))

مجالس

سید الطائفہ، قطب الاقطاب قطب العالم

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ

حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کا ذکر خیر

فرمایا مولوی لطیف الرحمٰن صاحب کے عزیزوں میں سے ایک صاحب ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ سے ملنے دہلی گئے۔ رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ شام کو افطار کے وقت دیکھا کہ کچھ لڑکے گولر کی گولریاں لا رہے ہیں اور حضرت دہلوی کے سامنے لا کر رکھ دیں۔ آپ نے انہیں سے روزہ افطار فرمایا۔ انہوں نے بھی ان گولریوں میں سے دو چار کھائیں اور چھوڑ دیں۔ حضرت دہلوی نے کہنی مار کر کہا کھاؤ اور کھانا نہیں ہے یہی گولریاں ہیں، سحری کے وقت بھی وہی گولریاں تھیں۔ صبح جب رخصت کے لئے اجازت چاہی تو فرمایا کہ تم اس لئے جاتے ہو کہ یہاں گولر کھانے پڑتے ہیں، انہوں نے کہا نہیں میں تو بیمار ہوں، فرمایا نہیں آج یہیں رہو،

شام کے وقت ایک گاڑی آئی اس پر ایک کھانے کی دیگ لدی ہوئی تھی، وہ دے کر چلے گئے کہ یہ افطار کے لئے ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میرے ہاں مہمان ہے اور وہ گولر نہیں کھاتا اس لئے کھانا بھیجا جائے تو اللہ تعالیٰ نے بھیج دیا۔

پھر فرمایا کہ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کے مزاج میں یکسوئی بہت تھی، لوگوں سے الگ تھلگ رہا کرتے تھے۔ بستی نظام الدینؒ میں جو بزرگوں کے مزارات ہیں وہاں چلے جاتے اور سارا سارا دن مشغول رہتے۔ جب تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو بالکل یکسو تھے یہ کام آپ نے کس طرح شروع دیا۔

جواب میں فرمایا کہ جب مسلمانوں کو لوگوں نے شدھی بنانا شروع کیا تو میرے جی میں آیا کہ تو خاموش بیٹھا ہے۔ اور مسلمان مرتد کئے جا رہے ہیں خدا کے ہاں اس کا کیا جواب ہوگا۔ بس پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

مسلمانوں کی افسوسناک جہالت

فرمایا مسلمانوں کی جہالت کی یہ حالت ہے کہ پوچھو تو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں، لیکن دین کی کسی چیز کا پتہ نہیں، اکثر کام ہندوؤں جیسے ہیں۔ فرمایا میں ایک دفعہ بازار سے گزر رہا تھا، دیکھا کہ مسلمانوں کے لڑکے گلی ڈنڈا کھیل رہے ہیں اور ہندوؤں کے لڑکے بیٹھے پڑھ رہے ہیں۔ افسوس ہوا کہ ہماری یہ حالت ہے۔

فرمایا ایک دفعہ ڈیرہ دون گیا وہاں رات کو ٹن ٹن کی آواز آئی۔ میں نے پوچھا کیا یہاں کوئی مندر ہے۔ لوگوں نے کہا مندر تو نہیں ہے یہاں چماروں کے لڑکے دن بھر محنت مزدوری کرتے ہیں اور رات کو یہاں آ کر پڑھتے ہیں۔ وہ گھنٹہ بجا رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب چماروں کے لڑکے تعلیم حاصل کر کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ بجنور کا ڈپٹی کلکٹر بھی چمار ہے اور تحصیلدار بھی چمار ہے۔

مسلمان ان سے نفرت کرتے تھے۔ ان کے برتن میں پانی نہیں پیتے تھے۔ رائے پور میں ایک مرتبہ ایک شخص عصر کے بعد بھاگتا ہوا آیا اور اس کا سانس چڑھا ہوا تھا ہم نے پوچھا خیر تو ہے، کہنے لگا کوئی خیر نہیں میں ایک بہت بڑا کام کر چکا ہوں۔ ہم نے پوچھا کیا ہوا کہنے لگا میں نے چمار کے برتن میں پانی پی لیا ہم نے مذاق میں پہلے تو اسے کہا کہ او ہو بہت ہی برا کام ہو گیا۔ پھر خانقاہ میں لا کر اس کو کہا کہ وضو کر کے نماز پڑھو۔ وضو تو ہم نے اسے کرا دیا، نماز اسے آتی نہ تھی۔ میں نے اسے کہا کہ ناپاک تو تو پہلے ہی تھا۔ خیر اسے نماز سکھائی اور جب وہ چائے پی چکا تو اسے یہ کہہ کہ رخصت کیا کہ اب تو پاک ہو گیا۔ یہ حالت ہے مسلمانوں کی۔

فرمایا ایک چمار ہماری مسجد کے کونے کے ساتھ کھڑا ہو کر کنویں سے پانی پینے کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا کیوں کھڑے ہو کہنے لگا کوئی پانی پلا دے۔ میں نے کہا خود کیوں نہیں پی لیتے۔ جاؤ ڈول سے پانی نکال کر پی لو۔ وہ جانے لگا تو الطاف الرحمٰن نے جو کہ وہاں کھڑے تھے، نہایت سختی سے ڈانٹ دیا۔ حالانکہ اسلام کہتا ہے کہ کافر کا جھوٹا پاک ہے۔ اب کوئی جلسہ ہوتا ہے تو چمار لوگ افسر ہوتے ہیں۔ قصداً چائے کی سب پیالیوں میں ہاتھ ڈالتے ہیں۔ فرمایا یاد رکھو تبلیغ تو قریب آنے سے ہوتی ہے نفرت سے ہدایت نہیں کی جا سکتی۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی زندگی ایک نظر میں

ڈاکٹر خالد محمود سومرو

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ 1268ھ بمطابق 1851ع کو بریلی میں پیدا ہوئے، کیونکہ ان ایام میں آپ کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ بریلی میں مقیم تھے، وہ ایک جید عالم تھے، حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی تھے، حضرت شیخ الہند کا سلسلۂ نسب امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین، خلیفہ ثالث، داماد رسول حضرت عثمانِ غنیؓ سے جاملتا ہے، آپ کی تعلیم کا آغاز چھ سال کی عمر میں ہو، قرآن مجید کا کچھ حصہ اور فارسی کی ابتدائی کتابیں انہوں نے حضرت مولانا عبداللطیف سے پڑھیں، ابھی آپ قدوری اور شرح تہذیب وغیرہ پڑھ رہے تھے کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحبؒ نے دیوبند میں 15 محرم 1283ھ کو دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی، اس مدرسہ کا آغاز دیوبند کی مشہور مسجد چھتہ سے ہوا۔

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اس مدرسہ کے پہلے طالب علم تھے، 1284ھ میں آپ نے کنز الدقائق اور مختصر المعانی کا امتحان دیا آئندہ سال مشکوٰۃ اور ہدایہ پڑھیں اور 1286 میں کتب صحاح ستہ کی تکمیل کی اور فارغ التحصیل ہوئے، 19 ذوالقعدہ 1290ھ میں آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی گئی حدیث میں انہیں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے علاوہ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا شاہ عبدالغنیؒ دہلویؒ سے بھی اجازت حاصل ہے۔

آپ جامع شریعت اور طریقت تھے، حضرت گنگوہیؒ کے بقول آپ علم کا مخزن تھے، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ آپ کو شیخ العالم کہتے تھے، مولانا عاشق علی میرٹھیؒ آپ کو شریعت وطریقت کا بادشاہ کہتے تھے اور مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ آپ کو علم شریعت اور طریقت کا بحر بیکراں کہتے تھے، بہرحال آپ کو فارغ التحصیل ہونے سے پہلے ہی 1288ھ میں

دارالعلوم دیوبند کا معاون مدرس بنادیا گیا تھا، اس وقت آپ کے سپرد ابتدائی تعلیم پڑھانے کا کام کیا گیا تھا، لیکن رفتہ رفتہ آپ کی علمی استعداد اور ذہانت ظاہر ہونے لگی اور انہیں اوپر کی کتابیں بھی پڑھانے کے مواقع ملتے گئے۔ 1293ھ میں آپ نے ترمذی شریف، مشکوٰۃ شریف اور ہدایہ وغیرہ کی تدریس شروع کی پھر 1295ھ میں مسلم شریف اور بخاری شریف بھی پڑھانے لگے۔

آپ کا حلقۂ درس نہایت مہذب اور شائستہ ہوتا تھا، دوسرے مدارس کے فارغ شدہ اور بڑے بڑے ذہین طالب علم نہایت مؤدب طریقہ سے حاضر خدمت رہتے اور آپ کمال عزت ووقار سے درس دیتے حلقہ درس دیکھ کر سلف صالحین واکابر محدثین کے حلقوں کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا، الحاصل آپ نے چالیس سال تک مسلسل دارالعلوم دیوبند میں درس حدیث دیا اور زمانہ اسیری مالٹا اور مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں بھی درس دیا اس طرح آپ کا زمانہ تدریس چوالیس سال سے زائد ہوتا ہے، اس عرصہ میں اطراف واکناف عالم میں آپ کے تلامذہ پھیل گئے، جن کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کرگئی ہے۔

آپ کے ممتاز تلامذہ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ، حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور حضرت مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ جیسے مشاہیر علم وفضل شامل ہیں۔

بہرحال آپ کا مقام بہت بلند ہے اور آپ شروع ہی سے نیک طینت اور نیک فطرت تھے، اس کے ساتھ ساتھ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی محبت اور صحبت اور امام الاولیاء حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی توجہات نے آپ کو فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچا دیا تھا، شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ قدس سرہ نے آپ کے کمالات علمیہ وروحانیہ سے خوش ہوکر آپ کو دستار خلافت اور اجازت نامہ بیعت عنایت فرمایا تھا اور پھر دربار رشیدی سے بھی آپ کو یہ نعمت عظمیٰ حاصل ہوئی اور حاصل یہ کہ آپ شریعت، طریقت اور روحانیت کے مجمع البحرین ہی نہیں بلکہ مجمع البحار تھے، آپ اگرچہ اکثر اوقات تعلیم وتعلم اور تصنیف وتالیف اور مطالعہ کتب میں مصروف رہتے تھے لیکن اس کے باجود ان کے اوراد ووظائف، ذکر ومراقبہ اور صلوٰۃ اللیل قضا نہیں ہوتے تھے، ہر حال میں،

سفر وحضر میں، حتیٰ کہ مالٹا کی طوفانی برفباری میں بھی آپ کے معمولات میں فرق نہیں آیا تھا، آپ ہر جمعرات کو سبق پڑھا کر گنگوہ تشریف لے جاتے تھے اور ہر جمعہ کی نماز پڑھ کر اپنے پیر ومرشد کی صحبت سے فیضیاب ہوکر دیوبند تشریف لاتے تھے۔

نہ کتابوں سے نہ مکتب سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

آپ کی علمی وروحانی خدمات بہت ہیں اس کے علاوہ آپ کی سیاسی خدمات بھی تاریخ کے ایک اہم باب ہیں، انگریزوں کے خلاف 1857ء میں شروع کی گئی تحریک آزادی کے مشن کو آپ نے کافی بڑھایا۔ آپ نے تحریک کا مرکز کابل کو بنایا اور آپ کی تحریک ریشمی رومال کے نام سے مشہور ہے آپ بھی کئی دوسرے مسلم اکابرین کی طرح عسکری بنیادوں پر مسلمانوں کو منظّم کرکے انگریزوں کے خلاف منظّم کرکے جہاد کرنا چاہتے تھے، لیکن اپنوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی وجہ سے انگریزوں کے خلاف یہ تحریک بظاہر تو کامیاب نہ ہوسکی لیکن اس نے ہندوپاک کے مسلمانوں میں بیداری کی نئی روح پھونک دی۔

اس سلسلے میں آپ 1333ھ میں حجاز مقدس کا سفر کیا۔ 1334ھ تک وہاں مقیم رہے۔ 1335ھ کے آغاز میں آپ کو گرفتار کرکے مالٹا پہنچادیا گیا، 1338ھ کو وہاں سے رہا ہوئے اور ہندوستان پہنچے ان دنوں ہندوستان میں تحریک خلافت کا زور تھا آپ بڑھاپے، نقاہت اور بیماری کے باجود تحریک میں بھرپور حصہ لیا، مالٹا کی اسیری کے دوران آپ زیادہ بیمار ہوگئے تھے، وطن واپسی پر بھی بیماری میں افاقہ نہ ہوا، لیکن اس کے باوجود انہوں نے جدوجہد کا راستہ نہیں چھوڑا، آپ کو یاد ہونا چاہیے کہ 1857ء کے جنگ آزادی میں علماء حق کی جس انقلابی جماعت نے قائدانہ کردار ادا کیا تھا، اس کے امیر لشکر تھے سید الطائفہ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور ان کی میمنہ اور میسرہ تھے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا محمد رشید احمد گنگوہیؒ، جنہوں نے شاملی، مظفر نگر اور تھانہ بھون کے تاریخی محاذوں پر اپنے ہزاروں تلامذہ اور مریدوں کو لیکر انگریزوں کی فوج کو زبردست ہزیمت پہنچائی تھی۔ ان خونی معرکوں میں اس مقدس جماعت کے بہت سے مجاہدین نے جام شہادت نوش فرمایا اور انگریزوں کے مکمل غلبہ کے بعد ان میں سے بہت بڑی تعداد کو پھانسی کے پھندے، یا حبس دوام کی

سزائیں دی گئیں، قائد جماعت حضرت حاجی صاحبؒ چھپتے چھپاتے حجاز مقدس کو ہجرت کر گئے، حضرت نانوتویؒ روپوش ہوکر مدرسوں کے جال پھیلانے میں لگ گئے اور انگریزوں کی سی، آئی ڈی شب و روز ان کو تلاش کرتی رہی، حضرت گنگوہیؒ چھ ماہ کی قید و بند کے بعد رہا ہوکر بظاہر اپنی خانقاہ میں گوشہ نشین ہوگئے مگر حقیقت میں وہ انتہائی خفیہ طور پر آزادی وطن کے لیے اپنے متوسلین کو تربیت دینے میں لگ گئے۔ علماء کرام اور بزرگانِ دین کی یہ تحریک بظاہر ناکام رہی مگر ان کی مخلصانہ قربانیوں کے مسلم معاشرے پر زبردست اثرات مرتب ہوئے، ان شہداء اور مجاہدین کے علمی، فکری اور روحانی خانوادے کے لاکھوں افراد کے سینے میں وطن کی آزادی اور اپنے بزرگوں کے انتقام کے لیے جو بے پناہ جذبات اور ولولے پل رہے تھے وہ کوئی معمولی سی چنگاری کی شکل میں نہیں تھے، بلکہ وہ زبردست آتش فشاں تھے، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے ایسے منظور نظر شاگرد تھے کہ جن کی شخصیت میں ان بزرگوں کو اپنے خوابوں کی تعبیر نظر آرہی تھی، اس لئے انہوں نے ان کی تعلیم و تربیت کچھ اس شان سے انجام دی کہ اپنے دل و دماغ کی ساری کیفیات اور پاکیزہ جذبات کو ان کے سینے میں پیوست کر دیا، ادھر حجاز مقدس سے ان کے روحانی مربی و مرشد اور اپنے عہد کے مستجاب الدعوات بزرگ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ بھی اپنی دعاؤں کے ساتھ ان کو اپنی قربانیوں کا مشن یاد دلاتے رہے۔

اسطرح شیخ الہند کے لاشعور میں یہ بات رچ بس گئی تھی اخلاص وللہیت اور ایثار و قربانی کے یہ ہمالیائی پیکر جن سے بہتر لوگ شاید اس وقت روئے زمین پر کہیں نہیں ہونگے انہوں نے اپنے وطن کی آزادی کے لیے اس شان کی قربانیاں دیں ہیں کہ اپنی زندگی کی ساری متاعِ عزیز کو وطن کی نذر کر کے خود جلاوطنی یا روپوشی کی زندگی گزار رہے ہیں، ایسے بے لوث اور بے پناہ استادوں اور مربیوں کی تعلیم و تربیت اور فیض صحبت نے حضرت شیخ الہند کو لیلائے آزادی کا ایسا دیوانہ بنا دیا تھا کہ انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد ہی یہ بنا دیا تھا کہ ہر حال میں وطن کو فرنگی سے آزاد کروانا ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان کی زندگی کے حالات و واقعات کا مطالعہ کرنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر خالق حیات و ممات ان کو سو بار زندگی دیتا تو وہ ہر بار اس کو آزادی وطن کی نذر کر دیتے اور پھر بھی ان کے دل میں یہ حسرت باقی رہ جاتی کہ:.....جان دی ہوئی اسی کی تھی۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

حضرت شیخ الہندؒ کے اساتذہ کا تعلق، علمی فکری، تعلیمی، اور اعتقادی حیثیت سے دبستان ولی اللہی سے جڑا ہوا ہے، جس کی زریں تاریخ عظمت وعزیمت کی اعلیٰ ترین قدروں اور آزادی وطن کے لیے بے لوث قربانیوں کی خونچکاں داستانوں سے لالہ زار ہے، 1803ء سے 1857ء تک نصف صدی کی تاریخ مقدس دبستان کی عظمت وعزیمت، اولوالعزمی اور بلند ہمتی، روشن دماغی اور اعلیٰ حوصلگی، غیر متزلزل ایمان ویقین، ناقابل تسخیر ہمت وجرات، عزم وارادے کا استحکام، جہد وعمل کا استقلال، بے ریاء، اخلاص وللہیت، بے دریغ ایثار وقربانی، بے پناہ جانبازی وسرفروشی، اپنے دین، اپنی قوم، اپنی ملت اور اپنے وطن سے قابل رشک محبت کی ہزاروں داستانوں سے اس طرح مزین ہے، جیسے گلہائے رنگارنگ کا کوئی حسین ترین گلدستہ ہو یا آسمان کی پیشانی پر کوئی چمکتی ہوئی کہکشاں ہو، 1803ء میں برصغیر کے امام حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث دہلوی اور پھر ان کے جلیل القدر صاحبزادے اور شاگرد امام حریت سیدنا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کا انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ۔

1836ء میں ان کے شاگردوں سید احمد شہید بریلویؒ اور شاہ اسماعیل شہید دہلویؒ وغیرہم کا بالاکوٹ کے میدان میں جہاد اور شہادت پھر علماء صادق پور کا خونی جہاد، 1813ء سے 1857ء تک اس دبستان کے مقدس بزرگوں کی انگریزوں کے خلاف مسلسل بغاوت جو 1857ء میں لاکھوں انسانوں کی قربانی پر تمام ہوئی، جن میں صرف علماء کرام کی تعداد تقریباً باون ہزار بتلائی جاتی ہے، جہاد حریت وطن کے ایسے خونچکاں ماحول میں حضرت شیخ الہندؒ نے جنم لیا اور جن ارباب عزیمت اساتذہ سے تعلیم وتربیت پائی وہ اسی دبستان ولی اللہی کے نمائندے تھے، جن کی حق گوئی وبے باکی، اخلاص وللہیت اور حب الوطنی ضرب المثل بن چکی تھی۔ تاریخ عالم کی نگاہوں نے ایسے عزیمت کے مناظر کم ہی دیکھے ہونگے کہ ایک مرد قلندر اور فقیر بے نوا اسباب ووسائل سے محروم ایک چھوٹے سے قصبے میں ایک دینی مدرسہ کی ٹوٹی ہوئی چٹائی اور پھٹے پرانے ٹاٹ پر بیٹھ کر مدرسہ کے چند غریب طلباء میں اس عزم وحوصلے اور جرأت وولولے کو صور پھونک رہا ہے کہ اپنے وقت کی سب سے بڑی سپر پاور ''گریٹ برطانیہ'' کا مقابلہ کرنے اور اس کو شکست دینے کا جذبہ پیدا کر رہا ہے اور ان کو ذہنی طور پر تیار کر رہا ہے کہ آپ نے اس کے اقتدار کے سورج کو اپنے انہیں ناتواں ہاتھوں سے سمندر میں غرق کرنا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے ان ہزاروں بوریہ نشین شاگردوں میں سے جن چند نے دریاؤں کے رخ کو موڑ کر ایک نیا انقلاب برپا کیا وہ ہیں: شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، بطل جلیل حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ سحبان الھند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ، فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین مرادآبادیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ وغیرہم۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے لائق تلامذہ کے تعاون سے اس وقت کے مسلم معاشرے کی ان عظیم شخصیات کے دل و دماغ میں بھی جہاد کی روح پھونک دی جو اپنے عہد میں مسلم سماج کے مکھن تھے اور جن کی قیادت میں اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کو اپنی آزادی کی جنگ جیتنا مقدر کر دی تھی۔ ان ہزاروں مسلم مجاہدین میں سے جنہیں شیخ الہندؒ اور ان کے تلامذہ کی تربیت ملی تھی ان میں سے یہ چند نام بطور قابلِ ذکر ہیں: مولانا عبدالباری لکھنویؒ، حکیم محمد اجمل خانؒ ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ مولانا محمد علی جوہرؒ مولانا شوکت علیؒ، نواب وقار الملکؒ، خان عبدالغفار خانؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، مولانا فاخر الہ آبادیؒ وغیرہم، ان کے علاوہ کافی تعداد میں غیر مسلم بھی آپ کی تحریک سے وابستہ تھے، جیسے جلاوطن آزاد ہند حکومت کے صدر راجہ مہندر پرتاب اور آزادی ہند کے رہنما گاندھی جی اور ان کے بہت سے ساتھی حضرت شیخ الہند کے تربیت یافتہ تھے، حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے شاگردوں، مریدوں اور معتقدوں کو لے کر اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر مسلح بغاوت اور ایک خونریز انقلاب کی ہمہ گیر اسکیم تیار کی تھی جس کے لیے انہوں نے 1879ء سے سرگرم کوشش شروع کر دی تھی، لیکن انتہائی خفیہ طور اور بڑی خاموشی کے ساتھ تاکہ اس کی ہلکی سی بھنک بھی انگریزوں کو نہ لگ سکے ورنہ وہ دارالعلوم دیوبند کو بند کرا دینگے، جو اس وقت اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت اور مجاہدین آزادی تربیت کا واحد مرکز تھا، لیکن 1916ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے یہ اعلان کر کے سارے لوگوں کو چونکا دیا کہ دارالعلوم 1866ء میں قائم ہوا تھا اب اب 1916ع شروع ہو چکا ہے یعنی آج دارالعلوم دیوبند کے قیام کو پورے پچاس سال ہو گئے، ہمارے استاذ محترم حضرت نانوتویؒ نے اس کا سنگِ بنیاد رکھتے ہوئے دعا فرمائی تھی کہ ”رب العالمین تحریک تحفظ اسلام کے اس نوزائیدہ مرکز کی پچاس سال حفاظت فرمادے تو پھر یہ تحریک دنیا بھر میں اپنی جگہ آپ پیدا کر لے گی“ اب اس کے قیام کو پچاس برس ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ نے استاذ

مرحوم کی دعا سن لی اب مجھ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ دارالعلوم کے درودیوار اب رہیں گے یا اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائیگی ، لیکن وطن کی آزادی جس کے لیے ہمارے اساتذہ نے بیش بہا قربانیاں دی ہیں جو کہ ان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو اور ان کی آنکھوں کا سب سے بڑا حسین خواب تھا، اب اس کی تعبیر تلاش کرنے کا وقت آ گیا ہے۔

اب یہ ہماری سب سے اہم اور سب سے پہلی ذمہ داری ہے، جس کو اب بالکل مؤخر نہیں کیا جاسکتا اور پھر سب سے پہلے انہوں نے اپنے شاگردوں اور معتقدوں کی ایک ٹیم کو افغانستان روانہ کیا اس ہدایت کے ساتھ کہ وہاں جاکر ایک جلاوطن آزاد ہند حکومت قائم کریں ، جس کے لیے افراد اور اسباب اور وسائل وحالات حضرت شیخ الہندؒ خود تیار کرا چکے تھے۔ آزاد ہند حکومت روح رواں امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ ہم یہ سمجھ کر افغانستان گئے تھے کہ ہمیں برسوں اپنے مشن کے لیے ماحول بنانا پڑیگا لیکن حضرت شیخ الہندؒ کی تقریباً سالہ کوششوں کا ثمرہ ہمارے سامنے تھا جو خود اپنے کچھ معتمد رفقاء کو لیکر حجاز مقدس روانہ ہو گئے تھے، جہاں خلافت عثمانیہ ترکی کے اہم ذمہ داران سے ملاقات کرکے ان کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرنا تھا کہ وہ ہندوستان پر حملہ کردیں اور دوسری طرف افغانستان میں جو ہماری جلاوطن حکومت ہے وہ بھی افغانستان اور سرحد کے لوگوں کو لیکر ہندوستان پر حملہ کرے اور افغانستان کے راستہ سے بیرونی مدد اور سامان رسد بھی ترکی فوجوں کو پہنچائے۔ اور اندرون ملک بھی بہت وسیع پیمانے پر اور بہت منظم نظام تیار تھا جو حملہ کرنے کی صورت میں انگریزی حکومت سے بغاوت اور اس کی فوجوں سے مزاحمت کرے اور حملہ آور فوجیوں کی رسد، کمک، افراد اور ہر طرح سے معاونت کرے، اس طرح ہندوستان سے انگریزوں کو مار بھگایا جائے، حجاز مقدس میں ترکی کے تمام اہم ذمہ داروں سے حضرت شیخ الہندؒ کی بات مکمل ہوگئی اور ان کے مجوزہ پلان پر عمل درآمد کے لیے خلافت عثمانیہ ترکی بالکل آمادہ ہوگئی، حضرت شیخ الہندؒ نے ہندوستان اور افغانستان میں متعین اپنے انقلابیوں کے نام بغاوت کی پوری اسکیم اور اس کے احکامات نیز خلافت عثمانیہ کے سب سے اہم ذمہ دار اور حجاز مقدس کے گورنر غالب پاشا کے وہ وثیقے جس میں انہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کی تائید وحمایت اور انہیں ہر طرح کے تعاون اور امداد دینے کے لیے خلافت عثمانیہ کے تمام ملازمین متعلقین اور ذمہ داروں کے نام اردو، عربی اور ترکی تینوں زبانوں میں لکھ کر دیا تھا۔

ان تمام خطوط کو اپنے ایک معتمد شاگرد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے ساتھ لکڑی کے ایک بکس کے دو تختوں کے بیچ میں رکھ کر اس طرح کیلوں سے جام کر دیا تھا کہ اس کا کسی کو احساس بھی نہ ہو، جن خطوط کو مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ریشمی رومالوں پر نقل کر کے افغانستان، یاغستان آزاد قبائل اور ہندوستان کے ان تمام علاقوں میں جہاں جہاں اس تحریک کے رہنما متعین تھے، ان کے پاس بھجوادیئے تاکہ ہر انقلابی اپنے تحریک کے احکامات اور مسائل سے باخبر رہے اور خود حضرت شیخ الہندؒ نے ترکی جانے کا پروگرام بنایا تھا، جہاں سے انہیں پوری بغاوت کی قیادت کرنا تھی، ابھی جہاز کی روانگی میں ایک دو دن تاخیر تھی، اس درمیان شریف مکہ نے انگریزوں سے مل کر خلافت عثمانیہ سے بغاوت کر دی اور حضرت شیخ الہند کو ان کے چار رفقاء کے ساتھ گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا، انگریزوں نے اپنی فوجی عدالت میں ان پر مقدمہ چلایا اور پوری کوشش کی کہ ان کو اور ان کے رفقاء کو بغاوت ثابت کر کے پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جائے مگر قدرت مددگار تھی، حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک اس قدر خفیہ رہی کہ انگریزوں کو کوئی ثبوت فراہم نہیں ہو سکا، اس لیے ان لوگوں کو جزیرہ مالٹا میں قید کر دیا گیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کی صحت پہلے ہی سے خراب تھی اب کالا پانی کے اذیت ناک قید نے ان کی صحت کو بالکل تباہ کر دیا، تین سال اور سات ماہ کی اذیت ناک قید کے بعد 1920ء میں اس نحیف وکمزور بوڑھے مجاہد کو ان کے رفقاء کے ساتھ بمبئی لا کر آزاد کر دیا گیا، جہاں ہزاروں کی تعداد میں بمبئی کے قائدین نے ایک شاندار استقبالیہ تقریب کا انعقاد کیا، جس میں خلافت کمیٹی بمبئی کے تقریباً تمام اہم ذمہ داروں نے شرکت کی، مسلمانوں کے اس اہم نمائندہ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے حضرت شیخ الہندؒ جو باتیں ارشاد فرمائیں وہ بہت ہی خاص اور توجہ کے قابل ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ: ''استخلاص وطن کی جنگ اب تک مسلمان تنہا لڑ رہے تھے، تقریباً سوا سو برس سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں ہندوستانی مسلمانوں خصوصاً علماء حق نے بیش بہا قربانیاں پیش کیں، تشدد، خونریزی اور بغاوت کے راستے اختیار کیے دیگر ممالک سے تعاون لے کر ہندوستان سے انگریزوں کو مار بھگانے کی اسکیمیں تیار کیں مگر افسوس کہ ہماری ہر کوشش ناکام رہی،

اس لیے بہت غور وفکر کے بعد اب میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اب آزادی وطن کی جنگ میں اپنے برادران وطن کو بھی شریک کیا جائے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ تمام مذاہب کا یکساں احترام

کیا جائے، کسی کے مذہبی امور میں ہرگز مداخلت نہ کی جائے اور تشدد کی راہ چھوڑ کر عدم تشدد کا راستہ اپنایا جائے، فرنگی سے عدم تعاون اور ترک موٴالات کو بنیاد بنا کر آزادی کی جنگ شروع کی جائے، اب کامیابی کی یہی ایک صورت نظر آتی ہے، ہندوستان کے علماء حق نے جو مسلسل سواسو برسوں سے انگریزوں کے مقابل برسر پیکار تھے اور اب تک آزادی وطن کے لیے پانچ راؤنڈ انتہائی خوفناک جنگیں لڑ چکے تھے، جن میں اپنی لاکھوں قیمتی جانوں کو ملک وملت کی نذر کر چکے تھے، اب حضرت شیخ الہندؒ کے ان رہنما اصولوں کی روشنی میں عدم تشدد، عدم تعاون، ترک موالات اور مذہبی اتحاد کو بنیاد بنا کر 1920ء میں آزادی وطن کے لیے چھٹے اور فیصلہ کن راؤنڈ کا آغاز کیا۔

حضرت شیخ الہندؒ 1920ء میں مالٹا کی قید سے رہا ہوکر، ہندوستان تشریف لائے تو اس قدر نحیف ونزار ہو چکے تھے کہ اب ان میں چلنے پھرنے کی بھی سکت باقی نہیں رہی تھی، لیکن وہ اپنی جدوجہد سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھے، طلباء علماء مریدین ومجاہدین کی تعلیم وتربیت کیلئے جگر سوز جد وجہد کے علاوہ شب وروز کی جان گسل عبادت وریاضت نے انہیں اس قدر نڈھال کر دیا تھا کہ وہ مالٹا سے واپسی کے بعد صرف پانچ ماہ کے اندر ہی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے، صرف پانچ ماہ کی قلیل مدت میں اتنی شدید ترین علالت اور جسمانی نقاہت کے باوجود جبکہ آپ کا چراغ زندگی امراض وآزار کی تیز وتند آندھیوں سے اپنے بقاء کی آخری جنگ لڑ رہا تھا آپ نے کئی ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے جنہیں تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

1۔آپ نے ہندوستان کی آزادی کے لیے پورے ملک میں ہونے والی منتشر کوششوں کو بڑی خوبصورتی سے منظّم ومربوط کر دیا۔

2۔شکوک وشبہات اور مذہبی وعلاقائی تعصّبات کی آگ میں جھلستے ہوئے قومی اتحاد کو ایک نئی زندگی بخشی۔

3۔اخوت وبھائی چارگی کے لیے ترستی ہوئی ہندوستانی فضاء کو محبت کا ماحول فراہم کیا اور اس مبارک اتحاد کو حصول آزادی کیلئے سب سے کامیاب ہتھیار قرار دیا، اپنے وصال سے صرف ایک ہفتہ پیشتر 21/20/19 نومبر 1920ع کو دہلی میں منعقدہ جمعیۃ علماء ہند کے دوسرے کل ہند عظیم الشان اجلاس کی عام صدارت فرماتے ہوئے اپنے خطبہ صدارت میں انہوں نے قومی اتحاد پر بے انتہا زور دیا اور اس

مختصر سے عرصہ میں جو پیش رفت ہوئی تھی اس پر اظہار مسرت کرتے ہوئے ہندو، مسلم دونوں کو اس پر مبارک باد بھی دی اور ساتھ ہی بڑے مؤثر انداز میں اس بات کا احساس بھی دلایا کہ اس پیش رفت کے باوجود ابھی منزل بہت دور ہے اور ہمارا دشمن کسی بھی وقت اس کو برباد کرسکتا ہے اس لیے اس کی طرف سے ذرا بھی غفلت نہیں ہونی چاہیے۔

آپ اپنے خطبہ صدارت میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہم وطنوں کو اس پاک مقصد یعنی حصول آزادی میں آپ کا مؤید بنادیا ہے اور میں ان دونوں کے اتحاد کو بہت مفید اور ضروری سمجھتا ہوں، حالات کی نزاکت کے تحت جو کوشش اس اتحاد کے سلسلے میں فریقین نے کی ہے اس کی میرے دل میں بہت قدر ہے، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اگر صورت حال اس سے مختلف ہوگی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو ناممکن بنادے گی اور ظالم حکومت کا پنجہ روز بروز اپنی گرفت سخت کرتا رہے گا،، اگر ہندوستان کی آبادی کے کل عناصر صلح ومحبت سے رہیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ اور کوئی فوج چاہے وہ کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہو اپنے ظلم وجبر سے اس کو شکست دے سکے، ہاں میں اس سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور پھر کہہ رہا ہوں کہ اگر آپ صلح وآشتی کی فضاء کو خوشگوار رکھنا چاہتے ہیں تو پھر اس کی حدود کو خوب اچھی طرح ذہن نشیں کرلیجئے، جس کی صورت اس کے سواء کچھ بھی نہیں ہے کہ اپنے وطن کے کسی فریق کے مذہبی امور میں کوئی فریق مداخلت نہ کرے اور ہرگز کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کرے جس سے کسی مذہب کے ماننے والے کی دل آزاری ہو، مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اب تک بہت سی جگہ اس کے خلاف ہوتا رہا ہے اور مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ دوسرے مذاہب کے ماننے والے ایذا رسانی پر عمل کرتے رہے ہیں، میں اس وقت خاص طور پر قوموں کے سربراہوں سے مخاطب ہوں کہ کہ وہ ریزویشن اور تجاویز پاس کرکے یہ نہ سوچ لیں کہ اور تمام مرحلے طے ہوگئے، یہ طریقہ سطحی لوگوں کا ہے بلکہ انہیں عمل سے تمام ملک کی قوموں کے افراد کے درمیان اتحاد کی کوشش کرنی چاہیے، ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی یہ کوشش جو انگریزوں کے نظر میں دونوں کے اعتبار کو ساقط کرتی ہیں حصول آزادی کے حق میں سم قاتل ہیں، اس طریقے سے نہ صرف نقصان پہنچانے کی یہ کوشش جو انگریزوں کی نظر میں دونوں کے اعتبار کو ساقط کرتی ہیں حصول آزادی کے حق میں سم قاتل ہیں، اس طریقے سے نہ صرف ملک کی تمام اقوام کا عظیم نقصان ہے بلکہ حصول آزادی کی راہیں بالکل مسدود ہوکر رہ جائیں گی، میں ایک بار پھر عرض کرتا ہوں کہ تمام مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان صلح وآشتی نہایت ضروری ہے، مجھے امید ہے کہ آپ حضرات میرے اس مشورے کو صرف

سرسری نہیں لینگے بلکہ سوچ سمجھ کر دل کے خلوص سے ان باتوں کا عملی اقرار کرینگے۔

4۔ملی اتحاد کے لیے بھی آپ کی مساعی جلیلہ ناقابل فراموش ہیں، ملت اسلامیہ ہند جو اختلاف وانتشار کے بہت سارے خانوں میں بٹی ہوئی تھی اس میں ایک زبردست تقسیم قدیم وجدید تعلیم یافتہ طبقات میں تھی اور یہ دونوں طبقات ایک دوسرے سے اس قدر دور تھے کہ ان کے قریب ہونے کا تصور بھی محال تھا ،قدیم تعلیم یافتہ طبقہ جدید تعلیم والوں کو مسلمان یا اسلام کا وفادار ماننے کو تیار نہیں تھا تو جدید تعلیم یا یافتہ طبقہ علماء قدیم کو عقل وانسانیت سے عاری اور زمانے کے نشیب وفراز سے بے بہرہ اور وحشی تصور کرتا تھا ،حضرت شیخ الہندؒ نے دونوں کو بہت قریب کیا، ایک طرف جدید علوم والوں میں خدا پرستی اور دینداری کی روح پھونکی تو دوسری طرف انگریزی تعلیم کی اہمیت اور ضرورت کا احساس دلا کر علماء قدیم کی اس سے وحشت کو کافی کم کیا، اس لیے جہاں ان کے مریدوں اور معتقدوں میں علماء قدیم کا ایک جم غفیر دکھائی دیتا ہے وہیں ڈاکٹر احمد انصاری، حکیم محمد اجمل خان، نواب وقار الملک، مولانا محمد علی جوہر اور شوکت علی اور سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان وغیرہ جیسے سینکڑوں جدید تعلیم یافتہ مسلمان بھی آپ کے گرد سمٹ کر آ گئے تھے۔

حضرت شیخ الہند کی شہ پر کچھ شاگردوں اور مریدوں نے مولانا محمد جوہر کی قیادت میں ایک قومی یونیورسٹی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نام سے قائم کرنے کا پروگرام بنایا تو اس کے افتتاح کیلئے اپنے مرشد ومربی حضرت شیخ الہند کو دعوت دی، ان دنوں آپ کی طبیعت بہت خراب تھی، چناچہ آپ کے تمام احباب نے آپ کو علی گڑھ نہ جانے کا مشورہ دیا لیکن آپ نے فرمایا کہ اگر میرے جانے سے انگریز کو تکلیف پہنچتی ہے تو میں ضرور جاؤنگا، چناچہ آپ کو پالکی میں لٹا کر دارالعلوم دیوبند کے طلبہ نے اٹھایا اور اس حال میں آپ نے دیوبند سے علی گڑھ کا سفر کیا، نقاہت کی وجہ سے آپ اپنی تحریر کردہ تقریر پڑھ نہیں سکتے تھے، اس لیے آپ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو حکم کیا، انہوں نے آپ کی وہ تقریر وہاں پر پڑھی، آپ نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ:

اے نونہالان وطن! میں دیکھ رہا ہوں کہ ہندوستان کی آزادی جس کے غم میں میری ہڈیاں پگھلتی جارہی ہیں وہ تمہارے اتحاد کے بغیر ناممکن ہے، اس جدوجہد کو مدرسوں اور خانقاہوں کے علاوہ اسکولوں اور کالجوں میں بھی شروع کیا جائے گا تب ہی منزل مل سکے گی، اسی لیے میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا ہے اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو اہم تاریخی

مقامات دیوبند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا ہے۔

5۔ 19 جولائی 1920ع کو خلافت کمیٹی بمبئی کے استفسار پر انگریزوں سے عدم تعاون اور ترک موالات کا فتویٰ دیا جس سے انگریزوں کے خلاف ہندوستانیوں کا ذہن اس قدر بدلہ کہ انگریزوں کی نوکری اور ان کے عطا کردہ وظائف واعزازات اور القاب وخطابات کو لوگ عزت کے بجائے حقارت سے دیکھنے لگے۔ پھر 19 اکتوبر 1920ع کو دہلی میں جمعیۃ علماء ہند کا ایک عظیم الشان اجلاس بلا کر انگریزوں سے مکمل عدم تعاون اور ترک مولات کی تجویز منظور کرائی اور اسی اجلاس میں ترک موالات کو ایک تحریک کی شکل دے کر اس رہنما اصولوں کی خود ہی نشاندہی فرمائی اور تقریباً چار سو مستند اور معتبر علماء اسلام کے دستخط سے ایک فتویٰ جاری کرایا گیا جس میں انگریزوں سے کسی بھی طرح کے تعاون کو مطلق حرام قرار دے دیا گیا۔ اس فتویٰ پر مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کی بھی ایک بڑی تعداد نے عمل کیا، ہزاروں ہندوستانی فوجیوں اور دیگر سرکاری ملازموں نے اپنی اپنی نوکریوں سے استعفیٰ دیدیا جس سے جہاد آزادی وطن کی تحریک کو زبردست غذا ملی، آزادی وطن کی جدوجہد جو ابھی تک خفیہ اور بہت محدود دائرہ میں تھی، جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی اور انگریزوں سے نفرت ایک جنون کی شکل اختیار کر گئی۔ دراصل حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک موالات اور عدم تعاون اتنی کارگر ثابت ہوئی کہ صرف 26 سال کے قلیل عرصہ میں برطانوی اقتدار کے غرور نخوت کے سورج کو ہندوستان کے بوریہ نشین فقیروں نے بحرِ ہند میں بڑی حقارت وذلت کے ساتھ غرق کر دیا، حضرت شیخ الہندؒ اب اپنا مشن مکمل کر چکے تھے، اب ضرورت رہ گئی تھی صرف ایک ایسے تابوت کی جس میں رکھ کر برٹش امپائر کے جنازے کو غرقاب کیا جا سکے سو اس کا انتظام حضرت نے خود ہی کر دیا یعنی تحریک ترک موالات وعدم تعاون نے انگریز سرکار کیلئے تابوت کا کام کیا جس کو پورے ملک نے ہاتھ لگا کر سات پار پھینک دیا، وہ خوفناک عفریت جو ان کی ذلت ونکبت اور افلاس وغربت کا باعث بنا ہوا تھا، جو ان کے گلے میں غلامی کی زنجیر، ہاتھوں میں ظلم وتعدی کی ہتھکڑیاں اور پیروں میں بے کسی وبے چارگی کی بیڑیاں ڈالے ہوئے تھا۔

ظلم تو پھر ظلم ہے بڑھتا تو تھم جاتا ہے
خون پھر خون گرتا ہے تو جم جاتا ہے

30 نومبر 1920ع مطابق 18 ربیع الاول 1339ھ کو دہلی کے علاقے دریا گنج میں اپنے ایک معتقد معالج اور جہاد آزادی وطن کی ٹیم کے ایک بہت ہی سرکردہ رہنما مرحوم ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی کوٹھی

میں علم وعمل، ایمان ویقین، عزم وحوصلہ، ہمت وشجاعت اور ایثار وقربانی کا یہ نیر تابان ہمیشہ کیلئے روپوش ہوگیا لیکن اس کی ہزاروں کرنیں انسانیت کی تمام تر اعلیٰ اخلاقی اور عمل قدروں کا اکناف عالم میں بکھیر رہی ہیں۔ میرے محترم دوستو! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ پاکستان میں اس وقت ہمارے اکابر علماء عدم تشدد کی جس پالیسی پر چل رہے ہیں یہ پالیسی حضرت شیخ الہندؒ کی ہی پالیسی ہے، اگر آج ہم فرقہ وارانہ فسادات کے خلاف سد سکندری بنے ہوئے ہیں تو یہ بھی حضرت شیخ الہندؒ ہی کا سبق ہے، اگر تم چاہتے ہو کہ پاکستان کو انگریزوں کی روحانی اولاد سے نجات دلائی جائے تو اسکے لیے آپ کو وہی نسخہ استعمال کرنا پڑیگا جو خود حضرت شیخ الہندؒ نے انگریز کو بھگانے کیلئے استعمال کیا تھا، آخر میں میں یہ بات بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دیوبندیت کسی نئے فرقے یا مذہب کا نام نہیں، حقیقت میں دیوبندیت اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے پاکیزہ احکامات کو حقیقی معنوں میں عوام الناس تک پہنچانے کا نام ہے، علم کا پہلا بین الاقوامی مرکز خاتم النبین، سید المرسلین، رحمۃ للعالمین، جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے مکہ مکرمہ میں قائم فرمایا تھا، جب مکے والوں نے قدر نہ کی تو یہ علمی مرکز آپ ﷺ کی ہجرت کے ساتھ مدینہ منورہ منتقل ہوگیا اور پھر چوتھے خلیفہ راشد حضرت علیؓ نے اس علمی مرکز کو مدینہ منورہ سے کوفہ منتقل کیا، کافی عرصے تک یہ مرکز کوفہ میں رہا، لیکن آگے چل کر علم وحکمت کا یہ بین الاقوامی مرکز کوفہ سے دمشق اور پھر دمشق سے بغداد اور اس کے بغداد سے سمرقند اور بخارا کی طرف منتقل ہوگیا اور اس کے بعد سمرقند اور بخارا سے یہ مرکز دہلی منتقل ہوگیا اور جب دہلی پر زوال آیا تو یہ مرکز دیوبند منتقل ہوگیا اور الحمدللہ اب تک دیوبند سے علم وحکمت کی شعائیں پورے عالم کو منور کر رہی ہیں، ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اکابر اور اسلاف کے نقشِ قدم پر چلیں اور پورے اطمینان کے ساتھ ان پر اعتماد کریں، نئے نئے نعروں اور نئے نئے فتنوں سے اپنے آپ کو بچاؤ، گاڑی کا ڈبہ چاہے کتنا ہی بیکار کیوں نہ ہو لیکن اگر وہ انجن سے جڑا ہوا ہے تو وہ منزل تک ضرور پہنچے گا، جہاں انجن جائے گا وہاں وہ ڈبہ ضرور جائیگا۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ: المرء مع من احب: یعنی جس کی جس کے ساتھ محبت ہوگی، قیامت میں وہ اسی کے ساتھ ہوگا، آخر میں آپ سے یہ التماس کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ ذمہ دار خاص طور پر ہمارے علماء کرام اپنے اکابر کی تاریخ کا ضرور مطالعہ فرمائیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ پاک ہمیں اخلاص اور استقامت عطا فرمائے اور اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے بڑوں کا ادب اور احترام نصیب فرمائے۔ آمین۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے ارتداد پر سب سے پہلا فتوائے تکفیر

تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

قسط 41

رئیس الاحرارؒ کی صدارت وقیادت میں مجلس احرار کی سب سے پہلی عوامی تحریک

رئیس الاحرارؒ کی طرف سے مجلس احرار اسلام ہند کی صدارت سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے جو چیلنج سامنے آیا وہ مسئلہ کشمیر تھا۔ کشمیر عرصۂ قدیم سے مسلمانوں کا اکثریتی علاقہ ہے، اس میں ۸۰ فیصد مسلمان آباد ہیں۔ مگر ایک صدی سے مسلمان انگریز کی سازش کے ذریعہ غیر مسلموں کے نرغے میں رہے۔ انگریز نے ۱۸۴۶ء میں اپنے ایک سکھ خیر خواہ جرنیل گلاب سنگھ کو پچھتر لاکھ نانک شاہی روپیہ کے عوض کشمیر کا ۸۴۰۰۰/ ہزار مربع میل کا علاقہ بخش دیا تھا۔

اس نے اس علاقہ پر قبضہ کرتے ہی کچھ ایسے قوانین نافذ کئے جس کی وجہ سے مسلمان اپنے مذہبی فرائض ادا کرنے سے قاصر تھے۔ اس کے مرنے کے بعد پرتاپ سنگھ اس کا گدی نشین ہوا۔ پھر ۱۹۲۵ء میں اس کے مرنے کے بعد ہری سنگھ اس کی گدی پر براجمان ہوا۔ اسی مہاراجہ ہری سنگھ کا کسی ذاتی معاملہ میں انگریز حکومت سے اختلاف ہوگیا۔ چنانچہ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ ریاست کشمیر سے برطانیہ کا جھنڈا اُتار دیا اور اپنا جھنڈا لہرا دیا۔ دوسرے یہ کیا کہ اس نے انگریز ریذیڈنیٹ کو کشمیر کی بجائے سیالکوٹ تک محدود کر دیا۔ اس پر انگریز سٹپٹا گیا اور ایک سازش کے ذریعہ کشمیر کے مسلمانوں کو راجہ ہری سنگھ کے خلاف استعمال کرنے کا پروگرام بنالیا۔ چونکہ اس وقت تک ۱۸۴۶ء کے قانون نافذ تھے جس کے مطابق مسلمان اپنے مذہبی فرائض سرانجام نہیں دے سکتے تھے، نیز ایک واقعہ یہ بھی ہوا کہ ۶ جون ۱۹۳۱ء کو جموں میں ایک دکاندار قرآن کریم پڑھ رہا تھا کہ بلاوجہ کسی ایک ہندو پولیس افسر نے قرآن کریم چھین کر زمین پر دے مارا۔ اس سے شہر میں انتشار پیدا ہوگیا۔ ان حالات میں مسلمانوں نے ۱۹۳۱ء میں تحریک چلائی۔ اس کو دیکھتے ہوئے پورے ہندوستان خصوصاً پنجاب کے مسلمانوں میں

اضطراب پیدا ہو گیا وہ بھی اس تحریک میں شامل ہونے کے لئے پر تولنے لگے۔

تحریک کشمیر کی حقیقت اور قادیانی سازش

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰنؒ لدھیانوی تحریک کشمیر کے متعلق اپنی یادداشت میں اس طرح لکھتے ہیں:

مہاراجہ ہری سنگھ، معزول والئ کشمیری جب گدی نشین ہوئے تو انہوں نے اختیارات ہاتھ میں لیتے ہی دو کام ایسے کئے جس کی وجہ سے انگریزی حکومت ان سے ناراض ہوگئی۔ مہاراجہ نے کشمیر سے یونین جیک اتروادیا، کہ یہ ریاست کا اپنا جھنڈا نہیں ہے، انگریز ریذیڈنٹ کو بجائے جموں و کشمیر کے سیالکوٹ میں رہنے کا حکم دیا۔ مہاراجہ کا یہ طرز عمل انگریز کو فوری طور پر ناگوار گزرا۔ انگریز بدلہ لینے میں نہ تو جلدی کرتا ہے نہ شور مچاتا ہے بلکہ ٹھنڈے طریقہ سے اپنے مخالف کو ایسی شکست دیتا ہے جس سے دنیا یہ نہ سمجھے کہ وہ اپنی کسی مخالفت کا بدلہ لے رہا ہے۔

خواجہ کمال الدّین لاہوری مرزائی کے بھائی خواجہ جمال الدّین انسپکٹر تعلیمات تھے، ان کے اثر ورسوخ سے کشمیر میں تعلیمی اداروں میں لاہوری، قادیانی، مرزائی بھرتی کر لئے گئے۔ شیخ عبداللہ کو لاہوری مرزائیوں نے علی گڑھ یونیورسٹی میں پوری مدد دی۔ شیخ صاحب اچھے مقرر تھے، اس لئے انہیں آئندہ کشمیر میں اپنے مقاصد میں استعمال کرنے کے لئے ان کا تعارف کشمیری عوام میں کشمیری رہنما کی حیثیت سے کرایا۔ شیخ عبداللہ کے زمانہ طالب علمی کے فوٹو ریاست میں تقسیم کئے گئے۔ تاکہ وہاں کا ہر مسلمان ان سے واقف ہو جائے۔

۱۹۳۱ء میں جب کانگریس اور گورنمنٹ کے درمیان گاندھی اِرْوِن پیکٹ ہوا تو یکا یک کشمیر میں اس طرح تحریک کشمیر کا آغاز ہوا، مشہور یہ کیا گیا کہ جموں میں کسی ہندو سنیاسی نے قرآن شریف کی توہین کی ہے، جبکہ ایک مسلمان سپاہی پولیس لائن میں قرآن شریف پڑھ رہا تھا۔ اس واقعہ کا مشہور ہونا تھا کہ تمام کشمیر میں مسلمانوں کے جذبات قابو سے باہر ہو گئے اور حکومت کشمیر کو دو بار گولی چلانی پڑی۔ جب حالات بہت نازک ہو گئے

تو مہاراجہ کشمیر نے مولانا ابوالکلام آزاد اور سر سپرو کو کشمیر میں بلا کر مشورہ کیا کہ اس معاملہ میں کیا کرنا چاہئے۔ مولانا آزاد کو بلانے سے یہ سمجھا گیا کہ مہاراجہ کا ذہن غیر فرقہ وارانہ ہے۔ مولانا سے مہاراجہ نے یہ بھی کہا کہ مسلمان عوام کے معقول مطالبات پورے کرنا چاہتا ہوں۔ جن کی آبادی نوے فیصد ہے لیکن وہ دفتری حکومت کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی ملاقات کے باوجود کشمیری مسلمان عوام مطمئن نہ ہوئے۔ ہندو مسلم فرقہ واریت پورے شباب پر آ گئی۔ شروع جولائی میں چوہدری افضل حق مرحوم جو کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے جیل سے رہا ہو کر آئے تھے انہوں نے احرار رہنماؤں سے کہا کہ کشمیر کا فتنہ انگریز نے شروع کرایا ہے تا کہ ہندو مسلم اتحاد کی موجودہ فضا برباد ہو جائے۔ انگریز نے کشمیر کے مسلمان کو استعمال کے لئے چن لیا ہے۔ تمام ساتھیوں نے چودھری صاحب کی یہ بات سن کر ٹال دی۔

انگریز نے کشمیر کے ابتدائی ہنگامہ سے فائدہ اٹھا کر اپنے با اعتماد آدمی ہری کشن کول کو کشمیر کا وزیر اعظم بنا دیا۔ دوسری طرف لاہوری، قادیانی مرزائیوں نے کشمیری مسلمانوں کی ہمدردی میں سارے ہندوستان میں زہر آلود پروپیگنڈہ شروع کر دیا اور کشمیر کے دس نئے لیڈر سامنے آ گئے جن کی رہنمائی شیخ عبداللہ کر رہے تھے۔ (رئیس الاحرار ص ۱۵۶۔۱۵۷)

قادیانی چال

ادھر یہ حالات تھے کہ مسلمان اپنے جمہوری حقوق کی جدوجہد میں تحریک چلانے کے پروگرام بنا رہے تھے۔ دوسری طرف قادیانیت انگریز کے اشارے پر کشمیر پر قبضہ کے خواب دیکھ رہی تھی۔ قادیانیوں کا خلیفہ بشیر الدّین محمود اپنی شاطرانہ چال چلانے کی فکر میں تھا، کشمیر میں قادیانیوں کی دل چسپی کیوں تھی جہاں اور وجوہات ہو سکتی ہیں ان میں ایک وجہ یہ تھی کہ مرزا غلام احمد قادیانی خود اپنی کتاب کشتی نوح کے صفحہ ۱۵ اور ۶۹ پر لکھتا ہے کہ:

(عیسیٰ ابن مریم فوت ہو گیا اور کشمیر سری نگر محلّہ خانیار میں اس کی قبر ہے)

اور جب تک کشمیر پر قادیانیوں کا قبضہ نہیں ہوتا اس وقت تک ان کا یہ دعویٰ سچا نہیں ہو سکتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور ان کی قبر کشمیر میں ہے۔ جبکہ

قرآن پاک اور احادیث رسول اللہ ﷺ اور اجماع امت سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے وہ زندہ آسمانوں کی طرف اٹھا لئے گئے ہیں۔

ان عقائد کے پیش نظر قادیانیوں نے کوشش کی کہ اس تحریک کی قیادت ان کے ہاتھ میں آ جائے اور مسلمانوں کے حقوق کی جنگ کے بہانے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا جائے۔ اس طریقہ سے مسلمانوں کے اندر ہمارا شمار بھی ہو جائے گا اور کشمیر ہمارے ہاتھ آ جائے گا۔ انگریز کی بھی یہی خواہش تھی کہ اس خود ساختہ پودے کی آبیاری میں مزید حصہ ڈال دیا جائے۔ چنانچہ انگریز نے سر فضل حسین کو استعمال کیا جو کہ سرکار پرست تھے۔

مرزائی کشمیر کا قیام

چنانچہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ لکھتے ہیں کہ:

۲۴ جولائی ۱۹۳۱ء کو شملہ میں سر فضل حسین کے اشارے سے سرکاری مسلمانوں کا اجتماع ہوا۔ جس میں کشمیر کے دس نئے لیڈر بھی شریک ہوئے، اس جلسے میں مرزا بشیر الدّین محمود خلیفہ قایان کو کشمیر کمیٹی کا صدر منتخب کیا گیا۔ مسٹر عبدالرحیم درد کو جو خلیفہ کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے کشمیر کمیٹی کا جنرل سیکرٹری بنایا گیا۔ شملے ہی سے مرزا محمود نے اعلان کیا کہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں نے مجھے اپنا رہنما تسلیم کر لیا ہے۔ اس لئے میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ ۱۴/ اگست ۱۹۳۱ء کو تمام ہندوستان میں یوم کشمیر منایا جائے۔ مسٹر عبدالرحیم درد نے ہندوستان کے تمام مشہور علماء فضلاء اور ڈاکٹروں کو خطوط لکھے کہ آپ کو کشمیر کمیٹی کا ممبر بنا لیا گیا ہے۔ ہندوستان کے تمام لوگ حقیقت حال سے ناواقف تھے، کسی نے کشمیر کمیٹی کی سیاسی سازش کی طرف توجہ نہ کی۔ سوائے مجلس احرار کے رہنماؤں کے کسی نے بھی عبدالرحیم درد پرائیویٹ سیکرٹری مرزا محمود کو انکار کا خط نہ لکھا۔

۱۴/ اگست ۱۹۳۱ء کو گاندھی جی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے لندن روانہ ہو گئے۔ عین اسی وقت کشمیر کمیٹی کا وجود عمل میں آیا۔ ٹھیک گاندھی جی کی روانگی کے وقت ۱۴/ اگست ۱۹۳۱ء کو کشمیر ڈے منانے کا اعلان کیا گیا تا کہ ہند مسلم اتحاد پر گاندھی جی کے لندن پہنچنے سے پہلے ہی ضرب لگائی جائے۔ (رئیس الاحرار صفحہ ۱۵۷، ۱۵۸)

جانباز مرزا ''کاروان احرار'' میں لکھتے ہیں:

۲۹ اگست ۱۹۳۱ء کو مہاتما گاندھی دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن روانہ ہونے لگے تو احرار رہنما سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے ساحلِ بمبئی پر انہیں منع کیا۔ ''آپ لندن نہ جائیں، آپ کا یہ طویل سفر تضیع اوقات ہوگا۔ انگریز اپنی پالیسی سے ہندوستان کو مزید غلام رکھنے کے لئے سارا کھیل کھیل رہا ہے۔ اگر برطانیہ کی نیت درست ہوتی تو پہلی گول میز کانفرنس پر ہی بات ختم ہو جاتی''۔ لیکن کانگریس کا رہنما احرار زعماء کے مشورے کو اپنی ہلکی سی مسکراہٹ سے ٹال کر لندن روانہ ہو گیا۔ (کاروان احرار جلد نمبر ا صفحہ ۱۸۶)

آگے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ لکھتے ہیں:

''میں، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ و شیخ حسام الدینؒ بمبئی میں تھے۔ ہم نے کانگریسی لیڈروں سے اور خاص کر مولانا ابوالکلام آزاد سے کشمیر کے مسئلے میں بات کی۔ مولانا نے فرمایا کہ مہاراجہ کشمیر خود چاہتا ہے کہ کشمیر میں کچھ ہو، تاکہ مسلمانوں کے مطالبات کو پورا کیا جا سکتا۔

ہم نے موجودہ کشمیر کی سیاسی سازش ڈاکٹر اقبال کی کشمیر کمیٹی میں شمولیت سر فضل حسین کی سرپرستی اور انگریز حکومت کی بدنیتی فرقہ وارانہ فسادات اور ہندو مسلمان اتحاد کے بارے میں مولانا آزاد سے تفصیلی گفتگو کی تو مولانا نے سب باتیں سن کر کہا کہ احرار کو فرقہ وارانہ اتحاد کے لئے مسئلہ کشمیر کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہئے اور مہاراجہ کشمیر کے سامنے ریاست کی ترقی کے لئے جمہوری مطالبات رکھنے چاہیں۔ میرا یقین ہے کہ مہاراجہ صاحب تھوڑی سی جدوجہد کے بعد جمہوری مطالبات کو منظور کر لیں گے۔

قادیانیوں کی یہ وقتی سازش کیوں کامیاب ہوئی؟

۱۹۱۴ء کی بلقان کی جنگ کے بعد ہندوستان میں انگریز حکومت کے خلاف ایک

تحریک اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ جس میں تحریک خلافت سب سے نمایاں تھی مسلمان چونکہ انگریز پالیسی کے خلاف سیاسی جنگ لڑ رہے تھے اور دھڑا دھڑ رہنما جیلوں میں جا رہے تھے ادھر قادیانیوں کے خلاف منظّم طریقہ سے کوئی عوامی تحریک نہ تھی صرف رسائل کی حد تک تحریری طور پر دلائل دیئے جا رہے تھے جس سے عام مسلمان کا قادیانیوں کے بارے میں علم نہ ہونے کے برابر تھا۔ خصوصًا ماڈریٹ طبقہ کو اس طرف خیال نہ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر اقبال جیسی شخصیت بھی کشمیر کمیٹی میں شامل ہوگئی اور قادیانیوں کے لئے مسلمانوں کو اقبال کا نام لے کر گمراہ کرنا آسان نظر آنے لگا۔

احرار کی طرف سے قادیانیوں پر پہلی ضرب کاری

ان حالات کو دیکھ کر مجلس احرار اسلام کے راہنماؤں نے محسوس کیا کہ کئی مخلص لوگ غلط فہمی کی بنا پر قادیانیوں کے جال میں آ گئے ہیں۔ خصوصاً ڈاکٹر اقبال جیسے مفکّر کا قادیانیوں کی کشمیر کمیٹی کا ممبر بن جانا مسلمانوں کے لئے غلط فہمی کا باعث بن سکتا ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر اقبال ہماری قوم کا اثاثہ ہیں انہیں کسی طریقہ سے اصل صورت حال سے آگاہ کیا جائے۔ چنانچہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ لکھتے ہیں۔

احرار رہنماؤں نے محسوس کیا کہ کشمیر کمیٹی کی وجہ سے تمام مسلمان مرزائی اور قادیانی ہو جائیں گے۔ ہندو مسلم اتحاد کو سخت دھکا لگے گا۔ مجلس احرار نے مسئلہ کشمیر میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا۔ مولانا مظہر علی کو تحریک کشمیر کا ڈکٹیٹر بنا دیا گیا۔ مولانا مظہر علی صاحب نے تمام سیاسی جماعتوں کو دعوت دی کہ ہم سب کو مل کر کشمیر کا سیاسی مسئلہ حل کر لینا چاہئے۔ ورنہ کشمیر کمیٹی ملک کی سیاسی صورت حال خطرناک بنا دے گی۔ مہاراجہ صاحب کو لکھا گیا کہ ہم آپ کے خلاف نہیں اور نہ یہ چاہتے ہیں کہ کشمیری عوام اور آپ کے تعلقات خراب ہوں۔ ہم آپ کو گدی سے اتارنے کے حق میں نہیں ہیں۔ کیونکہ مرزائیوں کی کشمیر کمیٹی انگریز کے اشارے پر آپ کو گدی سے اتارنے کے لئے زمین ہموار کر رہی ہے۔ احرار کا مقصد کشمیر میں ریاستی باشندوں کو ایسے حقوق دلانا ہے جس سے کشمیر کے باشندے اقتصادی تعلیمی ترقی کر سکیں۔

مگر افسوس کشمیر کے اس پس منظر کو اس وقت کوئی نہ سمجھتا تھا۔ ہندو پریس نے

ہماری مخالفت شروع کر دی اور مہاتما گاندھی نے بھی لندن سے ایک بیان احرار کے خلاف دے دیا۔لیکن احرار رہنما صورت حال کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے کشمیر کی طرف بڑھے اور کشمیر کمیٹی کو پہلے مرحلے پر ختم کر دیا۔ڈاکٹر اقبال کشمیر کمیٹی کی نائب صدارت سے مستعفی ہو گئے اس پر میاں فضل حسین نے چودھری افضل حق کو کہا کہ میں ایک نہ ایک دن احرار کو مٹا دوں گا۔آخر مسجد شہید گنج کا قصہ کھڑا کر کے ۱۹۳۵ء میں احرار کو دل کھول کر مٹایا۔

تحریک کشمیر میں چالیس ہزار والنیٹر گرفتار ہوئے۔آخر کار کشمیر میں ذمہ دار حکومت کا مطالبہ منظور ہوا۔لیکن ہندوستان کی تمام ریاستیں ہماری دشمن ہو گئیں۔نواب بھوپال نے احرار کے خلاف بیان دیا کہ ریاستوں میں ذمہ دار اسمبلیوں کا مطالبہ احرار کانگریس کی شہ پر کر رہے ہیں۔

(رئیس الاحرار صفحہ ۱۵۹)

کشمیر کمیٹی کی تشکیل ہوتے ہی قادیان کے خلیفہ بشیر الدین محمود نے اپنے عاجلانہ فیصلے کے تحت ہندوستان کے ان مسلمان رہنماؤں کو جو شملہ کے اجلاس میں شامل نہیں تھے،اطلاع بھیج دی کہ آپ کو کشمیر کمیٹی کا رکن نامزد کر لیا گیا ہے۔علامہ سر محمد اقبال بھی اس کمیٹی میں شامل ہیں۔

شملہ سے کشمیر کمیٹی کی بنیاد کو انگریز نے اپنے نقطۂ نگاہ سے بشیر الدین محمود نے اپنے خیال سے دیکھا اور جانچا۔انگریز سیاستدانوں نے اس بساط پر ہندوستانی رجعت پسند مسلمانوں کے علاوہ قادیانی مہرہ اس انداز سے پھینکا کہ دونوں طرح سے جیت انگریز کی تھی لیکن مجلس احرار اسلام نے اسلام اور ہندوستان کی آزادی کے لئے دونوں کو ضرر رساں خیال کیا۔اگر کشمیر پر انگریز کی گرفت مضبوط ہو جاتی ہے تو ہندوستان کی غلامی کے ساتھ دوسری بڑی جنگ میں خدانخواستہ اگر انگریز فتح یاب ہوتا ہے تو اس کے نتیجے میں وسط ایشیا کی عرب ریاستوں پر بھی سامراجی قوتوں کا اقتدار ہمیشہ کے لئے مضبوط ہو جائے گا۔اس لئے وقت کی سیاست مقتضی تھی کہ انگریز دانشوروں کو اس محاذ پر بھی ذہنی

شکست دی جائے تا کہ اس طرف کشمیر کا بتیس لاکھ مسلمان دوہری غلامی سے نجات پائے تو دوسری طرف ڈوگرہ شاہی کا خاتمہ ہو جائے۔

قادیانی! مذہب کے لباس میں وہی کھیل کھیلتا ہے جسے وہ غیر ملکی حکومت کے لئے مفید یا کارآمد سمجھتا ہے۔ چنانچہ خود مرزا غلام احمد اپنی کتاب ''شہادت القرآن'' کے صفحہ ۶ اور ۹ پر اپنے ماننے والوں کے ایک سوال کے جواب میں کہتا ہے کہ:

''سو یاد رہے کہ سوال ان کا نہایت ہی حماقت کا ہے، کیونکہ جس کے احسانات کا شکر کرنا عین فرض اور واجب ہے، اس سے جہاد کیسا۔''

میں سچ سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا، ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے۔ سو میرا مذہب جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں، یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں ایک یہ کہ خدا کی اطاعت کریں اور دوسری اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہے۔ سو وہ سلطنت حکومت برطانیہ ہے۔

اس مذہبی عقیدہ کی موجودگی میں اگر بشیر الدین محمود کی قیادت کو تسلیم کر لیا جاتا تو صرف کشمیر کے بتیس لاکھ مسلمانوں کے ایمان ہی ضائع نہ ہوتے۔ بلکہ بیرون ہند کے مسلمان بھی اس اثر کو قبول کرتے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ قادیانیت اسلام کو اپنے کفر کی لپیٹ میں لے لیتی۔ احرار رہنماؤں کو کشمیر کمیٹی کی تشکیل کا علم ہوا تو فوراً ایک وفد کی صورت میں ڈاکٹر اقبال سے ملے۔ اس وفد میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، چوہدری افضل حق مرحوم، مولانا داؤد غزنویؒ اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ شامل تھے۔ وفد نے اقبال سے کہا:

''کیا آپ نے بھی قادیانی قیادت کو تسلیم کر لیا ہے۔ اگر آپ کی دیکھا دیکھی کشمیر کے بتیس لاکھ مسلمان قادیانی ہو گئے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ مجرم ہوں گے۔ نیز قادیانی دوسرے اسلامی مسلمانوں پر بھی گمراہ کن اثر کریں گے۔ لہٰذا آپ ان سے علیحدگی کا اعلان کریں۔''

چنانچہ اس سے دوسرے روز لاہور برکت علی ہال میں کشمیر کمیٹی کا اجلاس بلایا گیا۔ جس میں چوہدری

افضل حق ،مولانا مظہر علی اظہر،مولانا داؤد غزنوی بغیر کسی دعوت کے جا شریک ہوئے۔چونکہ ڈاکٹر اقبال حالات سے آگاہ تھے۔انہوں نے قادیانیوں کے علاوہ باقی شرکاء اجلاس پر اپنا اثر استعمال کر کے بشیر الدین محمود کو کمیٹی سے الگ کر دیا اور صدارت خود سنبھال لی۔جس سے وہ ۱۳ اگست ۱۹۳۱ء کو الگ ہو گئے اور کشمیر کی تمام تر ذمہ داری احرار کے سپرد کر دی گئی۔(کاروان احرار جلد نمبر ا صفحہ ۱۸۱ تا ۱۸۳)

ڈاکٹر اقبال کا کشمیر کمیٹی سے استعفیٰ

ڈاکٹر اقبال کو جب احرار رہنماؤں نے حقیقت حال سے آگاہ کیا تو انہوں نے کشمیر کمیٹی سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن ابھی تک عمل درآمد نہیں ہوا تھا انہی دنوں خاتم المحدثین علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ لاہور میں انجمن خدام الدین کے اجتماع میں شرکت کے لئے آ رہے تھے چونکہ ڈاکٹر اقبال علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے اور ایک شاگرد کی حیثیت سے ان کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔جب ڈاکٹر اقبال صاحب حضرت علامہؒ کے آنے کا علم ہوا تو وہ خود تشریف لائے ڈاکٹر اقبال کی کوشش تھی کہ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ ان کے ہاں کھانا کھائیں مگر اس وقت علامہ انور شاہ کشمیری کے تیور ہی کچھ اور تھے۔

رئیس الاحرار کا ڈاکٹر اقبال مرحوم کو مشورہ

راقم الحروف کے والد مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی کا اکثر ذکر کیا کرتے تھے کہ جب علامہ انور شاہ کشمیری صاحب لاہور تشریف لائے تو ڈاکٹر اقبال بھی حاضر ہوئے تو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن نے ڈاکٹر اقبال سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب علامہ صاحب آپ سے مطمئن نہیں ہیں۔ڈاکٹر اقبال یہ سن کر انہی قدموں پر واپس لوٹ گئے۔اس پر دوسرے ساتھیوں نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ سے کہا کہ آپ نے کیا کیا۔ڈاکٹر اقبال کو ہم اپنے سے دور نہیں کرنا چاہتے۔آپ کے اس طرز عمل سے دور ہو جائیں گے۔تو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے جواب دیا کہ آپ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے پوچھ لیں کہ میں نے صحیح کیا ہے یا غلط۔اس پر علامہ انور شاہ صاحبؒ نے اس بات کی تصدیق کی اور فرمایا کہ مولوی حبیب الرحمٰن نے میرے دل کی بات کی ہے۔چنانچہ رئیس الاحرار نے ڈاکٹر اقبال سے جو بات کہی تھی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ

تقریباً ایک گھنٹہ کے بعد ڈاکٹر اقبال واپس آئے اور فرمایا کہ میں نے کشمیر کمیٹی سے استعفٰی دے دیا ہے۔

اس واقعہ کو جانباز مرزا اپنے انداز میں یوں لکھتے ہیں:

شاعر مشرق علامہ سر محمد اقبال کو حضرت انور شاہ صاحبؒ سے والہانہ عقیدت تھی۔ وہ ایک شاگرد کی طرح اس کے پاس بیٹھے اور کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ حدیث رسول اللہ کے نقاط سمجھتے۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۹۳۱ء میں جب مرزائیوں نے کشمیری مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے کشمیر کمیٹی کا صدر ڈاکٹر اقبال کو منتخب کیا گیا اور اس واقعہ کی اطلاع حضرت انور شاہؒ کو ہوئی تو وہ لاہور پہنچے۔ ڈاکٹر اقبال کو حضرت کی تشریف آوری کی اطلاع ملی تو اپنے ہاں کھانے پر مدعو کیا۔ لیکن حضرت نے یہ کہہ کر دعوت رد کر دی کہ:

''آپ نے مرزائیوں کی خود ساختہ کمیٹی کی صدارت قبول کر کے اپنا اسلامی عقیدہ مشکوک کر لیا ہے۔ لہٰذا آپ جب تک اسے درست نہیں کرتے آپ کے ہاں کھانا نہیں کھاؤں گا۔

اس پر ڈاکٹر اقبال دیگر وجوہات کے ساتھ کشمیر کمیٹی کی صدارت سے مستعفٰی ہو گئے۔ اس استعفٰی کا تفصیلی ذکر ڈاکٹر اقبال نے ۶ جون ۱۹۳۳ء کو اپنے پریس بیان میں کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

''بدقسمتی سے کشمیر کمیٹی میں بعض ایسے ممبر ہیں جو اپنے مذہبی پیشواء (بشیر الدین محمود) کے علاوہ اور کسی کی اطاعت تسلیم نہیں کرتے اور یہ امر اس بیان سے ظاہر ہے جو کام میر پور کے مقدمات میں ان کے سپرد کیا گیا تھا۔ اس پر انہوں (مرزائیوں) نے کہا ہے کہ ہم نے جو کچھ کیا وہ صرف اپنے مذہبی پیشوا (بشیر الدین محمود) کے حکم کی تعمیل میں کیا تھا۔''

''اس اخباری اعلان کو احمدیوں نے نشر کیا تھا۔ میرے دل میں کشمیر کمیٹی کے متعلق اسی وقت خطرات پیدا ہو گئے تھے۔ لہٰذا کشمیر کمیٹی جو ایک مخصوص مذہبی فرقہ کی جماعت ہے اس جماعت سے میرا واسطہ درست نہیں ہے۔ (روزنامہ انقلاب ۲۳ جون ۱۹۳۳ء)

ڈاکٹر اقبال کے استعفے کے بعد مجلس احرار نے ۱۵ر جون کو اپنے مرکزی اجلاس میں ڈاکٹر اقبال کے استعفٰے پر انہیں مبارک باد دی۔ نیز کشمیر کمیٹی کے موجودہ حالات پر از سر نو غور کیا۔ جو اقبال کے مستعفی ہونے پر پیدا ہو گئے تھے۔ (کاروان احرار صفحہ ۳۴۷ تا ۳۴۸)

کشمیر کمیٹی کے متعلق علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے صاحبزادے مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

کشمیر کمیٹی

۱۹۳۰ء میں مسائل کشمیر سے نمٹنے کے لئے ایک کمیٹی قائم کی گئی جس کا سربرہ خلیفہ قادیان (مرزا بشیر الدین محمود) کو قرار دیا گیا۔ اس کمیٹی کے ایک رکن علامہ اقبال بھی تھے۔ چونکہ کشمیر میں مسلم اکثریت ہے اور انہیں کے مطالبہ پر اس کمیٹی کا قیام عمل میں آیا تھا اس لئے مسلم حلقوں میں خلیفہ قادیان کے تقرر سے ہیجان ہو گیا۔ اوّل تو اس وجہ سے کہ مسلمان کے تصفیہ طلب مسائل کے لئے ایک قادیانی کو مقرر کرنا اس بات کا اعلان تھا کہ قادیانی مسلمان ہیں۔ حالانکہ تمام امت متفقہ طور پر قادیانیوں کو مرتد قرار دے چکی ہے۔ دوسرے عام قادیانیوں کے بارے میں یہ تجربہ سے ثابت ہے کہ وہ اپنے دائرہ کار میں قادیانیت کی پرجوش تبلیغ کرتے ہیں۔ سر ظفر اللہ خان کی اس سلسلہ کی کوششوں سے جو لوگ واقف ہیں وہ اس امر کی تصدیق کریں گے اس لئے یا تو بشیر الدّین محمود کشمیر کے مسلم اکثریت کے ایمان کو تباہ و برباد کرتا یا اپنے تبلیغی مشن میں ناکامی کے باعث مسلمانوں کے مسائل کو کمیٹی کی سطح پر خوفناک نقصان پہنچاتا، اور عجب نہیں کہ کچھ ایسے ہی سیاسی مقاصد کے پیش نظر سوچ سمجھ کر یہ تقرر کیا گیا ہو۔ علامہ کشمیری اس صورت حال سے مضطرب ہو گئے۔ مذکورۃ الصدر خطرات واندیشوں کے تحت آپ نے اس تقرر کے خلاف اول تو خود مہاراجہ کشمیر کو اور کشمیر کے بعض ذمہ دار اشخاص کو احتجاجی خطوط لکھے اور ساتھ ہی مجلس احرار کو ہمہ گیر احتجاج پر آمادہ و تیار کیا۔ ڈاکٹر اقبال جن سے آپ کے تعلقات پہلے سے تھے وہ اب تک قادیانیت کے مضر پہلوؤں سے تقریباً واقف تھے۔ اسی زمانہ میں علامہ نے موصوف کو طویل خط لکھ کر قادیانیت کی زہر چکانیوں سے مطلع

کیا۔ڈاکٹر اقبال نے بعد میں کشمیر کمیٹی سے استعفاء بھی دے دیا بلکہ وہ فتنہ قادیانیت کے استیصال کے محاذ پر ایک پرجوش داعی ہوگئے۔چنانچہ اس زمانہ میں انڈین نیشنل کانگریس کے صدر(نہرو) نے اپنے ایک مضمون میں ہندوستانی مسلمان کو قادیانیت کی تائید کا مشورہ دیا اور اس دلیل کے ساتھ کہ قادیان کا پیغمبر ہندوستانی ہے اور ان کے مقدس مقامات بجائے مکہ اور مدینہ کے خود ہندوستان میں ہیں ان سے وابستگی میں وطن پروری کے جذبات پیدا ہوں گے اور ایک غیر ملکی مذہب سے دلچسپیاں کٹ کر وطن ہی میں پیدا ہونے والے مذہبی راہ رسم بڑھے گی۔جس کا منطقی نتیجہ وطنیت کے جذبات سے معمور ہونا ہے۔

اس نظریہ کے آخری محرک ڈاکٹر شنکر داس مہرا تھے جو حال ہی میں سرگباش ہوئے ہیں۔صدر کانگریس کے اس مضمون پر علامہ اقبال نے انگریزی زبان میں مسلسل کئی قسطوں میں بھرپور تنقید کی۔کم لوگوں کو اس کا علم ہے کہ اقبال کے اس دین پرور خیالات کی تعمیر میں حضرت شاہ صاحب کا بڑا حصہ تھا۔(نقش دادم سوانح علامہ محمد انور شاہ کشمیری، انظر شاہ مسعودی، صفحہ ۱۸۷ تا ۱۸۹)

تحریکِ کشمیر اور رَدّ قادیانیت کے سلسلہ میں رئیس الاحرارؒ کی اکابرین ہند سے خط و کتابت

چونکہ قادیانیوں نے کشمیری مسلمانوں کی ہمدردی میں کشمیر کمیٹی بنا کر ان کو گمراہ کرنا شروع کر دیا تھا۔اس پر مجلس احرار اسلام کے راہنماؤں نے فوراً گرفت کی اور قادیانیت کا اصل چہرہ لوگوں کے سامنے پیش کر کے ان کے پروگرام کو ناکام بنایا، اس لئے یہ تحریک قادیانیت کے خلاف بھی ایک بڑی تحریک بن گئی۔اس موقع پر رئیس الاحرارؒ نے ہندوستان کے تمام مسلم زعماء کو تعاون کے لئے خطوط لکھے۔چنانچہ اس سے تحریک کی حمایت میں اضافہ ہوا۔ان میں سے چند خطوط یہاں درج کئے جاتے ہیں

رئیس المحدّثینؒ بنام رئیس الاحرارؒ

سب سے پہلے رئیس المحدثین حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ میدانِ عمل میں آئے اور انہوں نے ایک تحریر میں عوام الناس کو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اور اُن کی جماعت مجلسِ احرار اسلام کے ساتھ تعاون پر زور دیا۔

عزیزم مولوی حبیب الرحمٰن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

گذشتہ دنوں آپ کا ایک خط بسلسلہ تحریک کشمیر ملا۔جس سے پوری صورتِ حال منکشف ہوئی۔آپ اس سلسلہ میں احقر سے تعاون کے طلب گار ہوئے ہیں۔احقر اپنے طور پر اس سلسلہ میں ایک تحریر بھیج رہا ہے۔اس کو اگر عوام الناس میں مشتہر کر دیا جائے تو امید قوی ہے کہ اس سے تحریک میں کافی مدد ملے گی۔

دانی کہ چنگ و بادۂ چہ تقریر مے کنند
پنہاں شورید بادہ کہ تکفیر مے کنند

قادیانی نبوت کی تبلیغ ایک مدت سے کشمیر میں جاری ہے اور اسکولوں میں ان کی خاصی تعداد ملازمت پر موجود ہے۔اس کے علاوہ بھی وقتاً فوقتاً باقی ذرائع تبلیغ کے نکالتے رہتے ہیں۔اس وقت بھی مظلومانِ کشمیر سے اظہار ہمدردی میں سواء اپنی تبلیغ کے اور کوئی چیز مضمر نہیں۔جو سب عالمِ اسلام کو کافر قطعی بتلائے اس کے ہاں اخوتِ اسلامی کی کونسی مدّ اور کونسا صیغہ باقی رہتا ہے۔سیاست بھی ان کی عالم اسلام کو معلوم ہے کہ سواء اپنی نبوت کی تبلیغ کے اور تکمیل کے کوئی اور بات ان سے ممکن ہی نہیں۔پھر معلوم نہیں کہ مسلمانوں کو ان کے معاملے میں کیوں بار بار مغالطہ لگتا رہتا ہے۔احقر کا وطن چونکہ خود کشمیر ہے۔بنابر تجربہ دیرینہ اور بنابر صاحب واقعہ ہونے کے جملہ اہل اسلام کی عالی خدمت میں معروض ہے کہ ہمدردانِ اسلام و مسلمین زیرِ قیادت وسیادت مجاہدِ اسلام حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لودھیانوی اور ان کی انجمن احرارِ اسلام ہند کام کریں۔اور ان کی ہدایت پر عمل فرماویں۔اور مظلومانِ کشمیر کی ہمدردی میں اخوت ایمانی کا ثبوت دیں۔

والسلام

(احقر محمد انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ ۔از دیوبند)

اس کے کچھ عرصہ بعد دارالعلوم دیوبند میں انجمن امداد الاسلام دیوبند کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔اس میں حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے عقیدۂ ختم نبوت اور تحریک کشمیر کے متعلق مفصل خطاب فرمایا۔اس کے بعد ایک تحریر پڑھ کر مجمع کو سنائی۔اس کے بعد یہی تحریر رئیس لاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کو بھیجی۔

از: دیوبند محلّہ خانقاہ۔ ۱۳۵۱ھ

فرقہ قادیانی کے بارے میں، میں مسئلہ کو اس طرح سمجھتا ہوں

زہے موزوں ازمن و لقمۂ شمرون از تو

اس کی تفسیر کے مقابل خواہ کُل اُمت کا خلاف ہو وہ سب اس کے نزدیک گمراہ ہیں۔حدیث پیغمبرِ اسلام کی جو اس کی وحی کے موافق نہ ہو اس کی نسبت اس کی تصریح ہے کہ ردّی کے ٹوکرے میں پھینک دی جائے۔ان دو اصولِ اسلام یعنی کتاب اور سنت کی تو اس کے نزدیک یہ حاصلات ہے اور بحسب تصریح اس کے اس پر شریعت بھی نازل ہوتی ہے۔اور بمقابلہ اس عقیدہ اسلامیہ کے ''بعد ختم نبوت کے آئندہ کوئی شریعت نہیں ہوگی'' صریح ادعاء شریعت کیا ہے اور نیز اس کا اعلان ہے کہ آئندہ حج کا دیان کا ہوا کرے گا۔اور نیز جہاد شرعی اس کے آنے سے منسوخ ہو گیا۔اور پیغمبر اسلام کے معجزات تو تین ہزار ہی نقل ہوئے ہیں۔منشی غلام احمد قادیانی کے تین لاکھ ہیں جن میں تحصیل چندہ کی کامیابی بے شمار ہے اور اس کے اشعار ہیں۔

زندہ شد ہر نبی بآمد نم

ہر رسولے نہاں بہ پیر ہنم

آنچہ داد است ہر نبی راجام

دادآں جام را مرا انجام

نیز اپنی مسیحیت کی اُمید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جن پر ایمان جزو دین محمدی ہے ایسی توہین کی ہے جس سے دل اور جگر شق ہوتا ہے۔اور اس کے نزدیک تحقیقی توہین ہے۔الزامی یا بقول نصاریٰ تو درکنار رہی توہینِ عیسیٰ علیہ السلام میں علاوہ اپنی تحقیقی توہین کے ایک اور طریقہ بھی اختیار کیا ہے کہ نقل نصاریٰ کے سر رکھ کر توہین سے اپنا دل ٹھنڈا کرتا ہے

گفتہ آید در حدیث دیگراں

یہ معاملہ بیشتر اسی پیغمبر برحق کے ساتھ کیا ہے تا کہ عظمت ان کی دلوں سے اُتار دے اور خود مسیح بن بیٹھے۔ اس واسطے ہنود کے پیشواؤں کے ساتھ ایسا نہیں کیا ہے بلکہ توقیر کی ہے، اور ایسے بزرگانِ اسلام امام حسین علیہ السلام وغیرہم کی تحقیر اور اپنی تعلّی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ غرض یہ کہ اس دجّال کی دعوت اس کے نزدیک سب انبیاء اور رُسل صلوات اللہ علیہم سے بڑھ چڑھ کر اور افضل و اکمل ہے۔ علماء اسلام نے اس فتنہ کے استیصال میں خاصی خدمتیں کیں مگر وہ خدمتیں انفرادی اور خصوصی تھیں، اس وقت ایک لطیفہ غیب نمودار اور نمایاں ہوا ہے کہ مجاہد اسلام جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اور سامی القاب مولوی ظفر علی خاں صاحب اس خدمت کا فرض ادا کر رہے ہیں جس کی وجہ سے جناب مولانا حبیب الرحمٰن اور ان کے رفقاء جناب مولانا عبدالحنان صاحب اور مولوی لال حسین صاحب اختر اور احمد یار خاں صاحب سپرد حوالات ہیں۔ ہم کو کچھ حمیت اور حمایت اسلام سے کام لینا چاہئے۔ اہل خطہ کشمیر سمجھ اور بوجھ لیں کہ جو کچھ قادیانی جماعت اُن کی امداد کر رہی ہے وہ اہل خطہ کے ایمان کی قیمت ہے اور ناممکن ہے کہ کوئی امداد اور ہمدردی اس فرقہ کی ایمان خریدنے کے سوا ہو۔ اور جن لوگوں نے اس فرقہ کے ساتھ کسی قسم کی رواداری برتی ہے وہ خطرہ میں ہیں۔ یہ نہ سمجھیں کہ یہ کوئی معمولی بات ہے۔ بلکہ محمد رسول اللہ ا کی پیغمبری سے قادیانی پیغمبری میں تحویل ہونا ہے۔ اور جس کا جی چاہے ان عقائد ملعونہ قادیانی کا ثبوت ہم سے لے لے۔ اور اس شدید وقت میں کہ وطن کو بے خبر کر کے ایمان پر چھاپہ مارا گیا ہے کچھ غیرت ایمانی کا ثبوت دے۔ جن حضرات نے اس احقر سے حدیث شریف کے حرف پڑھے ہیں، وہ اس وقت کچھ ہمدردی اسلام کی کر جائیں اور کلمۂ حق کہہ جائیں اور انجمن احرارِ اسلام میں شرکت فرمائیں۔

کچھ لوگوں کو اس فرقہ کی تکفیر میں توقف یا تو اس وجہ سے ہے کہ صحیح علم نصیب نہیں ہوا اور اب تک ایمان اور کفر کا فرق معلوم نہیں ہوا، اور نہ کوئی حقیقت مفصلہ ایمان کی ان کے ذہن میں ہے۔ اور یا کوئی مصلحت دنیاوی دامن گیر ہے۔ ورنہ اسلام کوئی نسبی یا نسلی لقب

نہیں ہے، جیسے یہود اور ہنود کا زائل نہ ہو۔ اور جو کوئی بھی اپنے آپ کو مسلمان کہے بس وہ قومی نسبی لقب یا ملکی وشہری نسبت کی طرح لایفک ہی ہے، بلکہ عقائد اور عمل کا نام ہے اور ضروریات قطعیہ اور متواتر شرعیہ میں کوئی تأویل وتحریف بھی کفر والحاد ہے ۔ زندقہ اور الحاد اس کو کہتے ہیں کہ سچے دین کو گڑبڑ کردے اور یہ کھلے کفر سے بدتر ہے، یہی اس دجّال کی تسلیم کا حاصل۔ جب کوئی ایک حکم قطعی اور متواتر شریعی کا انکار کردے وہ کافر ہے، خواہ اور بہت سے کام اسلام کے کرتا رہے۔ ان اللہ لیؤید الدین بالرجل الفاجر اس میں وارد ہوا ہے۔ حق تعالیٰ صحیح علم اور سمجھ اور توفیق عمل نصیب کرے۔ آمین

انتباہ

آخر میں یہ عاجز بحیثیت رعیت ریاست کشمیر ہونے کے حکومت کشمیر کو متنبہ کرنا چاہتا ہے کہ قادیانی عقیدہ کا آدمی عالمِ اسلام کے نزدیک مسلمان نہیں ہے۔ لہذا حکومت کشمیر جمیع اہل اسلام اور مذہب قدیمی اہل کشمیر کی رعایت کرتے ہوئے قادیانیوں کی بھرتی اسکولوں اور محکموں میں نہ کرے ورنہ اختلال امن کا اندیشہ ہے ۔ نقل مطابق اصل

محمد انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ۔ از دیوبند، محلّہ خانقاہ

مفتیٔ اعظم ہندؒ بنام رئیس الاحرارؒ

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا مکتوب

مکرم ومحترم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب صدر مجلس احرار ہند

السلام علیکم

آپ سے تو میرا بہت پرانا تعلق ہے، آپ اگر مجھے خود اس سلسلہ میں حاضری کا حکم فرماتے تو میں حاضر ہوجاتا۔ میرے لئے تو یہ بڑی سعادت کی بات تھی۔ آپکے حکم پر مسلمانانِ ہند کے نام اپیل کے عنوان سے ایک تحریر بھیج رہا ہوں۔ اس کو مناسب انداز میں شائع کروادیں۔ نیز اس مسئلۂ کشمیر میں جب بھی میری ضرورت پڑے میں حاضر ہوں۔

کشمیر کے مسلمانوں پر وہاں کے حکام نے جو مظالم توڑے ہیں۔اُن کی وجہ سے تمام ہندوستان کے مسلمان بے چین ہیں۔اور اپنے بھائیوں کی ہر ممکن امداد کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی بے چینی اور امداد کے لئے مستعدی کو دیکھ کر قادیانی خلیفہ نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا۔اور غیر احمدی مسلمانوں میں مل جل کر اُن سے چندہ لینے اور ہمدردی کے بہانہ سے مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ افسوس ہے کہ مسلمان اپنے کشمیری مظلوم بھائیوں کے مصائب کی خبروں سے اس قدر از خود رفتہ ہو گئے تھے اور ان کی مدد کر لئے اس قدر بے تاب تھے۔کہ اس کے عالم میں وہ مرزا بشیر الدین محمود اور اُن کی جماعت کے مقصد کو نہ سمجھ سکے۔اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی صدارت مرزا صاحب کو اور نظامت اُن کے سیکریٹری کو تفویض کر کے مسلمانوں کو ایک تباہ کن فتنے میں مبتلا کر دیا۔ظاہر ہے کہ مرزا بشیر الدین محمود جو اپنے مضامین میں تمام غیر احمدی مسلمانوں کو کافر مردود قرار اور اُن کے ساتھ بیاہ شادی کے تعلقات کو حرام بنا چکے ہیں۔اور اُن کے جنازے کی نماز پڑھنے بلکہ تجہیز تکفین میں شرکت کو بھی حرام کہہ چکے ہیں اور کہہ رہے ہیں۔ وہ حقیقی طور پر مسلمانانِ کشمیر کے ساتھ کس طرح ہمدردی کر سکتے ہیں۔ نیز قادیانی مشن کا دارومدار تمام تر گورنمنٹ کی اندھی وفاداری اور غلامانہ خیر خواہی ہے۔اس لئے یہ جماعت کشمیری مسلمانوں کی خیر خواہی گورنمنٹ کے اغراض کی حدود سے آگے کس طرح کر سکتی ہے۔ہم صرف مذہبی اختلاف کی بناء پر نہیں بلکہ قادیانی سیاست اور اس کے گذشتہ کارناموں کی بنا پر تحریک کشمیر کی سیادست قادیانی فریق کو دینا ہمالیہ پہاڑ سے زیادہ بڑی غلطی اور گناہِ عظیم سمجھتے ہیں۔اور تمام مسلمانوں سے درخواست کرتے ہیں۔کہ وہ مرزا بشیر الدین محمود کی قیادت اور ان کے سیکریٹری کی نظامت یعنی اُن کے مشن کی اعانت سے صاف طور پر بیزاری کا اعلان کر دیں۔اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کو ہرگز کوئی چندہ نہ دیں۔ ورنہ وہ تبلیغ قادیانیت اور فتنہ ارتداد کی اشاعت اور سیاسی لحاظ سے خودکشی اور تقویت اعدا کے مجرم ہوں گے۔

اس کے ساتھ ہماری پرزور درخواست ہے۔کہ تمام مسلمان مظلومین کشمیر کی

امداد واعانت میں جانی مالی قربانی کے لئے تیار ہو جائیں۔ اور مجلس احرار اسلام پنجاب لاہور (جو برادرم مولانا حبیب الرحمٰن کی زیر قیادت کام کر رہی ہے) کی ہدایت کے ماتحت کام کریں۔ اور امدادی رقوم مجلس مذکور کے نام روانہ کریں۔

مجلس احرار اسلام پنجاب نے جدوجہد کا پروگرام شائع کر دیا ہے۔ اور تہیہ کیا ہے کہ وہ آخری وقت تک اپنی جدوجہد جاری رکھے گیں۔ اور جب تک کشمیر کے مسلمانوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا جائے گا۔ وہ چین سے نہ بیٹھے گی۔ حق تعالےٰ اس کی مدد کرے۔

(محمد کفایت اللہ، صدر جمعیۃ علماءِ ہند ۱۲/۸ اگست ۱۹۳۱ء)

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اور رئیس الاحرارؒ کے درمیان خط و کتابت

نوٹ:۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ جس دور میں تحریک کشمیر چل رہی تھی ان دنوں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ جمعیۃ علماء ہند کے ذمہ داروں میں سے نہیں تھے۔ وہ صرف دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین تھے۔ اس وقت جمعیۃ علماء ہند کے صدر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور جنرل سیکرٹری سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ تھے۔

سیدی ومولائی حضرت صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے کہ حضرت اقدس خیریت سے ہونگے۔ حضرت کو معلوم ہے کہ گزشتہ کچھ عرصہ قبل ایک جماعت ''مجلس احرار اسلام'' کے نام سے لاہور میں قائم کی گئی ہے۔ جس کا مقصد ہندوستان کے مسلمانوں کے عقائد کا تحفظ کرنا ہے۔ بدقسمتی سے اسلام کے نام پر انگریز نے ہندوستان میں ایسی جماعتیں پیدا کر دی ہیں جو کہ مسلمانوں کے بنیادی عقائد کو مسخ کر رہی ہیں۔ خصوصاً آج کا انگریزی پڑھا لکھا مسلمان فکری آزادی کے پُرکشش عنوان سے زیادہ متأثر ہو رہا ہے۔ اور اسی راستے سے الحاد بڑی

تیزی سے آ رہا ہے۔ ملحد اور زندیق لوگ سادہ لوح مسلمانوں کی مجبوریوں کی مدد کی آڑ میں ان مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ جیسا کہ کشمیر میں ڈوگرہ راج کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم کی آڑ میں کشمیر کمیٹی بنا کر قادیانی ان کے ایمان کو خریدنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مجلس احرار اسلام نے قادیانیوں کی ان خفیہ سرگرمیوں کو ناکام بنانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائی ہوئی ہے۔ کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کے حقوق کے لئے مجلس احرار نے سول نافرمانی کا پروگرام ترتیب دیا ہے۔

اس سلسلہ میں آپ سے خصوصی دعاؤں اور سرپرستی کی استدعا ہے۔ حضرت اقدس اگر مناسب خیال فرمائیں تو اپنی طرف سے جملہ اہل اسلام اور خصوصاً اپنے متوسلین کو ہماری اس تحریک میں تعاون کی اپیل فرما دیں۔

(حبیب الرحمٰن لدھیانوی، صدر مجلس احرار اسلام ہند۔ لاہور)

محترم المقام مولانا حبیب الرحمٰن صدر مجلس احرار زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف!

والا نامہ مؤرخہ ۲۳ راگست بسلسلہ تحریکِ کشمیر باعث سرفرازی ہوا۔ حالات و واقعات سے مکمل آگاہی ہوئی۔ آپ کی تڑپ آپ کی تحریر سے عیاں ہے۔ قادیانی اُمت کی فریب کاری کی طرف جناب ممدوح نے مطلع فرمایا۔ اپنی طرف سے ہم جہاں تک کوشش کر سکتے ہیں وہ کر رہے ہیں۔ مزید یہ کہ آپ کے حکم پر اپنی طرف سے ایک تحریر بھیج رہا ہوں، امید قوی ہے کہ اس سے آپ کی تحریک کو تقویت ملے گی۔ ہماری تمام ہمدردیاں آپ لوگوں کے ساتھ ہیں۔

باسمہٖ تعالیٰ

مظلوم مسلمانانِ کشمیر کی امداد و اعانت اور اُن کی ہمدردی و یگانگت جس درجہ میں اہم ترین فریضہ اور لازم ہے کسی فردِ بشر سے مخفی نہیں۔ مظلوم رعایا کے وہ صحیح حقوق جو

کہ زمانہ دراز سے پھنسے ہوئے ہیں، اور اُن کے وہ جائز مطالبات جن کا ہر فردِ بشر قدرتی طور پر استحقاق رکھتا ہے۔ اور اُن کے حصول کیلئے ہر امکانی کوشش کرنا اور ہر ایثار و قربانی کو اس راہ میں پیش کر دینا نہ صرف مذہبی فریضہ ہے۔ بلکہ انسانی اور فطری ضروریات میں سے بھی ہے۔ بنابریں ضروری تھا کہ ان فرائض کے انجام دینے کے لئے ان اشخاص کے ہاتھ میں زمام قیادت ہو جو کہ۔

(الف)۔ عام مسلمانوں اور مظلوموں کے ساتھ واقعی سچی ہمدردی رکھتے ہوں۔

(ب)۔ وہ اس قدر جری اور بہادر ہوں کہ بلا خوف و ہراس ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہوں۔

(ج)۔ وہ فقط الفاظ اور حروف پر اکتفاء کرنے والے نہ ہوں بلکہ عملی اشخاص بھی ہوں۔

(د)۔ انہوں نے اپنی قوتِ ارادی اور استقلال و عالی ہمتی کا ثبوت بھی دے دیا ہو۔

(ھ)۔ وہ حقیقی معنوں میں وطن اور ملک کے بہی خواہ ہوں۔

(و)۔ وہ گورنمنٹ برطانیہ کے پوجاری اور آلۂ کار نہ ہوں۔

افسوس صد افسوس کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی زمامِ قیادت جن ہاتھوں میں پہنچی ہے وہ ان صفات کے ساتھ متصف نہ تھے۔ ہم نے شملہ کی ابتدائی کاروائی پر اطلاع پانے اور مسٹر بشیر الدین محمود خلفیہ قادیان اور ان کے پرائیویٹ سکریٹری مسٹر عبدالرحیم درد وغیرہ کے بالترتیب پریسیڈنٹ اور سیکرٹری اور رکن ہونے سے انتہائی مایوسی کو محسوس کیا ہے۔ مگر چونکہ ۱۴۔ اگست کو کشمیر ڈے کا اعلان ہو چکا تھا اور کشمیر میں مظالم کا بازار گرم تھا۔ کوئی دوسری جانباز پارٹی میدانِ عمل میں اُتری نہ تھی۔ اس لئے مسلمانوں کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اس دن میں متفقہ طور پر صدائے احتجاج ضرور بلند کریں۔ اور اپنے فریضۂ مذہبی، وطنی، انسانی کے ادا کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ مگر آخر کار جس کا اندیشہ تھا وہی ہوا یعنی تاریخ مذکور پر سربراہانِ کمیٹی جلسوں کی کرسی صدارت پر عموماً رونق افروز نہ ہوئے۔ جانبازی اور قربانی کے لئے اس راہ میں گامزن ہونے کی بجائے گورنمنٹ برطانیہ کی مداخلت کے جویاں ہوئے۔ صرف الفاظ تحریری پروپیگنڈے پر جملہ درجات پرواز کو رکھا گیا۔ اور ایسوں سے ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔ جو شخص سوائے چند سو افراد کے جو کہ مرزا قادیانی کی نبوت کے قائل ہیں۔ چالیس کروڑ مسلمان کو کافر جہنمی بتاتا اور اعلان کرتا رہتا

ہے۔اُن سے رشتہ ناطہ،نماز، جنازہ،تک کا تعلق بھی حلال نہیں جانتا،تمام اسلامی اور وطنی تحریکات میں گورنمنٹ برطانیہ کا ساتھ دیتا رہا ہے۔اور ساتھ دینا ضروری سمجھتا ہے۔اُس نے کبھی مسلم قوم اور وطن کے لئے سرفروشی کا کوئی بیّن ثبوت نہیں پیش کیا۔اس سے بجز امور مذکورہ بالا اوران کے امثال کے ہو ہی کیا سکتا ہے۔لہذا ایسے سربرآوردوں اور ایسی جماعت سے مستقبل میں کوئی امید رکھنی بالکل عبث اور لغو ہے۔اسی وجہ سے باوجود ان کی درخواست کے ہم نے اس کمیٹی کی شرکت کو گوارانہ کیا۔اور نہ مسلمانوں کے لئے مناسب سمجھا۔مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی قیادت میں انجمن احرار اسلام پنجاب جن کے کارنامے اور قربانیاں پبلک کے سامنے آفتاب سے زیادہ روشن ہیں۔اس خدمت کے لئے بھی خم ٹھوک کر کھڑی ہوگئی ہے۔لہذا میں تمام مسلمانوں کو مطلع کرتا ہوں۔کہ آل انڈیا کشمیری کمیٹی سے بالکل مایوس ہو جائیں۔اور اپنی امیدوں کو اس فدائی جماعت احرار اسلام ہی سے وابستہ کر دیں۔ان کی اقامت میں پوری جدوجہد کو کام میں لائیں۔کامیابی اور نجاح سر بکف انسانوں ہی کا قدم چومتی ہے۔قوالوں اور نقالوں سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوتا۔

ناز پروردہ تنعم نہ برو راہ بدوست
عاشقی شیوۂ رندانِ بلا کش باشد

ہم کو قومی امید ہے کہ انجمن احرار اسلام بیش از بیش قربانی کر کے مظلوموں کو کامیاب بنائے گی۔اور تحقیقاتی کمیٹی جلد از جلد روانہ کر کے واقعات کی تحقیقات ملک کے سامنے پیش کرے گی۔اور اگر اس میں وہاں کی ظالم گورنمنٹ سدِ راہ ہو تو جتھہ بندی کر کے غیر متشدد جدوجہد جاری رکھے گی۔مسلمانانِ ہند اور بالخصوص مسلمانانِ پنجاب کو لازم ہے کہ اس مجلس کی والنٹیروں اور اموال سے اعانت کریں۔

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہ (از دارالعلوم دیوبند)

ان بزرگوں کی یہ اپیلیں اختصاراً لکھی گئی ہیں ان کی تفصیل ''مکاتیب رئیس الاحرارؒ'' میں ملے گی

(جاری ہے)

کارپوریٹ سرمائے کا لٹریری فیسٹول

اور یا مقبول جان

برصغیر پاک و ہند پر برطانوی اقتدار کی تاریخ تقریباً دو صدیوں پر محیط ہے۔ پہلی صدی کلکتہ سے شروع ہوتی ہے اور 1857ء کے مکمل اقتدار پر ختم ہوتی ہے۔ اس کے بعد نوے سال تاجِ برطانیہ کے مکمل اختیار کے ہیں۔ ان دو صدیوں کے بدیسی اقتدار نے بھی اس قوم کے ساتھ اس قدر بھونڈا مذاق نہیں کیا جو مذاق پاکستان کے ثقافتی مرکز لاہور میں کارپوریٹ سرمائے کے بل بوتے پر لاہور لٹریری فیسٹول منعقد کر کے کیا گیا۔

یہ اس قوم کا تمسخر اڑانے کے مترادف ہے جس کی اپنی ایک تہذیب ہے، شناخت ہے اور جس کی زبان میں اس قدر عظیم ادب موجود ہے کہ دنیا کی بہت کم زبانوں میں اس کی مثال ملتی ہے۔ وہ دن جرمنی، فرانس، چین یا کسی اور ملک کے لیے کتنا حیران کن ہوسکتا ہے کہ جب ان کے کسی بڑے شہر میں انگریزی ادب کو ان کا ادب تصور کر کے ایک فیسٹول منعقد کیا جائے اور پھر اسے ان کی تہذیب کا حصہ قرار دے دیا جائے۔

شاید یہ قومیں اس دن غیرت وحمیت سے ڈوب مریں۔ کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ ایسا ہی واقعہ لندن کے البرٹ ہال میں ہو جہاں فرانسیسی لکھاریوں کو لندن لٹریری فیسٹول کے نام پر جمع کیا جائے، مباحث اور مذاکروں کی زبان فرانسیسی ہو اور تڑکے کے طور پر انگریزی ادب کے بھی کچھ شہ پارے پیش کر دیئے جائیں؟ شاید ایسا واقعہ انگلستان کی تاریخ میں کبھی پیش نہ آسکے اور اگر کوئی کارپوریٹ سرمائے کے بل بوتے پر ایسا کرنے کی کوشش کرے تو پورا لندن جاگ اٹھے۔

لیکن جس قوم کے حلق میں گزشتہ تیس برسوں سے میٹھے زہر کی شکل میں پہلی کلاس سے او اور اے لیول تک افسانوں، کہانیوں، کارٹونوں اور نظموں کی صورت میں پوری انگریزی تہذیب وثقافت کو

اتارا گیا ہو، جن کے خوابوں میں ان سارے کرداروں کو اودھم مچانے کی آزادی ہو، جن کے ذہنوں کے پردوں پر سنڈریلا، سانتا کلاز اور سنو وائٹ جیسی تصویروں کے نقش ونگار بنائے گئے ہوں، ان کے لیے آپنے ملک کے ہیر رانجھا، سسی پنوں، سوہنی مہینوال اور آدم خان دخینیے سب کے سب ایک بدیسی مخلوق اور اجنبی کردار ہیں۔

وہ اس ملک کی تہذیب کے کرداروں کو اسی طرح دیکھتے ہیں جیسے امریکہ کے قابضین ریڈ انڈین مخلوق کو جانتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ تاریخ کا حصہ ہے اور اسے کسی کلچرل شو میں، میوزیم کی الماریوں میں یا تاریخ کی کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ان پر صرف انگریزی زبان میں بڑی بڑی تحقیقی کتابیں تحریر کی جاسکتی ہیں۔

اس ملک کے جس نوجوان طبقے کو گزشتہ تیس برسوں میں انگلش میڈیم سکولوں کے ذریعے تخلیق کیا ہے، اس کا رویہ اور اس کی سوچ بالکل ویسی ہی ہے۔ یہ پاکستان کے مسائل کا ادراک کرنا چاہیں تو سب سے پہلے ان تمام انگریزی مصنفین کو پڑھتی ہے جو اپنے خاص تعصب اور مخصوص عینک کے ساتھ دیکھتے اور لکھتے ہیں۔ عالمی میڈیا سے جنم لینے والی کہانیاں اور تصورات اس کی سوچ کا حصہ بن جاتے ہیں۔ پھر ان میں ایک ایسی نسل پیدا ہوچکی ہے جو یوں تو پاکستانی ہے لیکن اس کا اس زمین سے اتنا ہی رشتہ ہے جتنا کسی ریڈ انڈین پر انگریزی زبان میں کتاب لکھنے والے کا ہوتا ہے۔

یہ پاکستانی نژاد یا انگریزی نژاد پاکستانی ہیں جو انگریزی زبان میں اس مظلوم قوم کا المیہ تحریر کرتے ہیں۔ دنیا بھر کی یونیورسٹیاں اور پبلشر ان کی پذیرائی کرتے ہیں اور عالمی کارپوریٹ سرمائے سے چلنے والے ٹیلی ویژن انہیں پاکستان کے معاملات پر ایک اتھارٹی سمجھ کر مدعو کرتے ہیں اور ان کی کہی ہوئی باتوں کو ہزاروں مضامین اور لاکھوں تحقیقی مقالوں میں سند کے طور پر درج کرتے ہیں اور پھر پورے مغرب میں ان کی کہی ہوئی باتوں کو عام کرتے ہیں۔ یہ وہ نسل ہے جو اس ملک کے عوام کو پسماندہ، بدتہذیب، جاہل، ان پڑھ، گنوار، متعصب جیسے اہانت آمیز القابات سے پکارتی ہے۔ یہ نسل پوری قوم کی بحیثیت مجموعی کتنی ہی توہین کرے، اسے مکمل عزت واحترام دیا جاتا ہے اور انہیں ایک آزاد اور روشن خیال مصنف کے طور پر عالمی سطح پر اجاگر کیا جاتا ہے۔

لاہور میں چند دن ایسے ہی لوگوں کا میلا تھا جسے لاہور اور پاکستان کی ثقافت کا نام دیا گیا۔ اس میں ریڈانڈین کی طرح تڑکے کے طور پر پرانے مصنفین کے اوراق بھی پڑھ کر سنائے گئے اور رقص وموسیقی کے نمونے بھی دکھائے گئے۔ان میں موجود لوگوں کو شاید ہی علم ہو کہ اس ملک میں کس قدر ادب تخلیق ہو رہا ہے اور کیسے کیسے لوگ راتیں جاگ کر تحقیق کرتے ہیں۔صرف شاعری کی کتابوں کا ذکر کریں تو ہر سال سو سے زیادہ کتابیں مارکیٹ میں آتی ہیں۔

گزشتہ برسوں میں جس قدر ترجمے نے رواج پایا اس کی پہلے عشروں میں مثال نہیں ملتی۔ ہر تازہ کتاب کا ترجمہ چند ماہ میں مارکیٹ میں آجاتا ہے۔ یہ کسی قوم کی تخلیقی جستجو کا کمال ہوتا ہے۔ دنیا کی ہر زبان ترجمے سے آگے بڑھی۔ افسانہ اور تحقیق پر بھی کتب آئے روز چھپ رہی ہیں، یہاں تک کہ اب تو بچوں کا ادب تحریر کرنے والے بھی دوبارہ کہانیاں لکھ رہے ہیں۔

یہ سب کتابیں کئی کئی ایڈیشنوں میں شائع ہوتی ہیں اور پڑھی جاتی ہیں لیکن چونکہ کارپوریٹ سرمائے نے یہاں ایک دنیا آباد کرنی ہے تاکہ اس کا مال بکے تو اسے وہی مصنف چاہئیں جو اپنی تحریروں میں ایسی دنیا تخلیق کریں جس میں قتلمے کی جگہ پیزا، بند کباب کی جگہ برگر، شلوار قمیض کی جگہ جینز، جیکٹ اور چپل کی جگہ جاگر والے کردار نظر آئیں۔ آرائش حسن و جمال کے سامان سے لے کر لباس رنگ ڈھن تک سب کا سب بدل جائے تو ان کے مال کی کھپت ہوتی ہے۔

یہ لٹریری فیسٹول نہیں عالمی منڈی کا ایک خوبصورت اشتہار تھا جو کئی دن میرے شہر لاہور میں سجایا گیا۔ جب چائے ہندوستان میں متعارف کرائی گئی تو ہر چوک پر چائے کے مفت سٹال لگائے گئے اور لوگوں کو پلائی گئی اور آج آپ چائے کی درآمد پر کثیر زرمبادلہ خرچ کر رہے ہیں۔

یہی حال اس ملک کا ہے جہاں ایک سچا اور کھرا ادیب خون تھوک تھوک کر مر جاتا ہے۔ جہاں شاعر، ادیب اور افسانہ نگار اپنی کتاب بغل میں تھامے پبلشرز کی منتیں کر رہا ہوتا ہے، وہاں کارپوریٹ سرمائے سے ایک ایسا میلہ سجایا جاتا ہے جس کی زبان اس ملک کے 99.9 فیصد عوام جانتے تک نہیں۔ اس قدر ظلم اتنا تمسخر تو انگریز حکمرانوں نے بھی ہمارا نہیں اڑایا۔

بچوں کے صفحات

بادشاہ اور قیدی

ایک بادشاہ نے کسی بے گناہ قیدی کے قتل کا حکم سنایا۔ زندگی سے مایوس ہوکر موت کی سزا پانے والا بادشاہ کو بے تحاشہ گالیاں دینے لگا۔ جیسا کہ مثنوی میں لکھا ہے۔

اپنے جینے سے ہاتھ دھوئے جو
کہے جو کچھ کہ جی میں آئے سو
بھاگنے کا وقت نہ پائے اگر
ہاتھ میں لے شوق سے تیغ وسپر
وقت مایوسی دراز انسا ن کی ہوتی ہے زباں
جیسے ہوکہ گربہ سگ پہ ہوحملہ کناں

بادشاہ نے پوچھا یہ کیا کہتا ہے؟

وزیروں میں سے ایک وزیر با تدبیر نے عرض کیا۔

''جہاں پناہ! یہ کہتا ہے کہ جو لوگ غصے کو مارتے ہیں اور آدمیوں کی خطا بخشتے ہیں وہی دونوں جہاں میں محبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنیوالوں کو چاہتا ہے''۔

دوسرے وزیر نے جو پہلے وزیر سے دل میں کدورت رکھتا تھا بادشاہ سے کہا۔

''جہاں پناہ! یہ آپ کا نمک کھا کر آپ سے جھوٹ بول رہا ہے موت کی سزا پانے والے نے تو آپ کو بڑی گندی گالیاں دی ہیں''۔

یہ سن کر بادشاہ نے جواب دیا۔

''ہمیں اس کا جھوٹ پسند خاطر ہے۔ وہ جھوٹ جس میں صلح اور اصلاح کی آمیزش ہو اس سچ سے بہتر ہے جو فساد برپا کرے۔ زندگی سے مایوس ہوکر آدمی آگا پیچھا نہیں دیکھتا، جو زبان پر آئے

کہہ دیتا ہے۔ جو جی میں آئے کر گزرتا ہے۔

مثنوی میں ہے کہ فریدوں کے محل کے طاق پر یہ لکھا ہے۔

نکلنے لگے تن سے جب جان پاک
تو مرنے کو یکساں ہے تخت اور خاک

بادشاہ کا خواب

خراسان کے ایک بادشاہ نے سلطان محمود سبکتگین کے بیٹے کو اس کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا کہ اس کے جسم کی کوئی ہڈی باقی نہیں رہی۔ بلکہ تمام بدن خاک ہو کر خاک میں مل گیا ہے۔ مگر اس کی آنکھیں کاسۂ چشم میں پھرتی ہیں اور حسرت کی نگاہ سے ادھر ادھر دیکھتی ہیں۔

بادشاہ دربار کے مجر، منجم اور کاہن اس خواب کی تعبیر نہ بتا سکے آخر کار ایک فقیر نے اس خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ مرحوم سلطان کی چشم عبرت میں یہ دیکھتی ہیں کہ کل جس ملک پر اس کی حکومت تھی آج کسی اور سلطان کی حکومت ہے۔

بہتیرے نامور جو گڑے ہوئے ہیں زمین میں
ہستی سے ان کی جگ میں کہیں اک نشاں نہیں
وہ کہنہ لاش خاک میں گاڑی ہوئی جو تھی
کھایا ہے اس خاک نے اک استخوان نہیں
نوشیرواں کا نام ہے دنیا میں عدل سے
گرچہ اک عمر گزری کہ نوشیرواں نہیں
کچھ کام نیک کرلے بہت کم زندگی
اک کہیں گے لوگ تجھے بھی وہ یاں نہیں

ایک فرزند ایسا

امام غزالیؒ سے کسی نے پوچھا: آپ غم زدہ کیوں نظر آرہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: مجھے اس وقت اپنی والدہ محترمہ کی نصیحت یاد آ گئی، بس والدہ کی یاد نے غم زدہ کر دیا۔ انہوں نے نصیحت کی تھی کہ بیٹا! علم کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔

امام غزالی اور امام احمد غزالی رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں حقیقی بھائی تھے۔ والد صاحب بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے۔ والدہ سوت کات کر گزر بسر کرتی تھیں۔ وہ بے چاری اپنے بیٹوں کو کیا تعلیم دلواتیں۔ ادھر شوہر نے مرنے سے پہلے وصیت کی تھی کہ میرے پیارے بیٹوں کو تعلیم ضرور دلوانا۔ وہ پریشان رہتی تھیں کہ تعلیم کس طرح دلائیں۔

ان کے شوہر کے ایک دوست تھے۔ انہیں اپنے دوست کی وصیت کا حال معلوم تھا، لیکن وہ بھی غریب آدمی تھے۔ جیسے تیسے کر کے ماں نے ان کی تعلیم کا انتظام کر ہی دیا۔ ان دونوں کو کوفہ کے ایک بڑے عالم احمدؒ جرجان کے مشہور عالم ابونصر اسماعیلیؒ سے تعلیم دلوائی۔

ابونصر اسماعیلیؒ سے تعلیم حاصل کر کے امام محمد غزالیؒ اپنے گھر جا رہے تھے کہ راستے میں ڈاکوؤں نے گھیر لیا۔ مال و اسباب بھی لوٹ لیا۔ تعلیم حاصل کرنے کے دوران جو کچھ ساتھ ساتھ لکھتے رہتے تھے ڈاکو وہ بھی لے گئے۔ خالی ہاتھ گھر پہنچے، والدہ محترمہ کو اپنا دکھ سنایا۔

تعلیم وہ کتاب کے ہاتھ سے چلے جانے کے بارے میں انہیں بتایا۔ اس پر ماں نے کہا: بیٹا! وہ تعلیم کیسی تھی جو ڈاکوؤں نے لوٹ لی، کیا میں نے ایسی تعلیم کے لیے بھیجا تھا؟

امام غزالیؒ کے دل پر چوٹ لگی۔ ڈاکوؤں کی تلاش میں نکلے۔ آخر ڈاکوؤں تک پہنچ گئے۔ ان کی منت سماجت کی کہ ان کی کتاب انہیں دے دیں۔

ڈاکوؤں کا سردار ان کی بات سن کر بولا: تمہاری والدہ نے درست کہا ہے، تم نے خاک سیکھا ہے، یہ لو اپنی کتاب، تمہاری ماں کے کہنے پر دیتا ہوں۔

ماں کی بات پہلے ہی دل میں اتر چکی تھی، اب ڈاکوؤں کے سردار کی بات نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ وہ تمام علم جو ہاتھ سے لکھا تھا، اس کو حفظ کیا، یعنی دماغ میں محفوظ کیا، اس طرح سوت کاتنے والی ماں کا بیٹا وقت کا امام بنا اور وقت کے بڑے علماء کی فہرست میں شامل ہوا اور ماں نے اس امت کے لیے ایسا فقیہ چھوڑ کر آخرت کی راہ لی۔

فائدہ: دوستو.....! کہتے ہیں ''ہر اچھی بات جو تم سنو اسے لکھ لو اور جو لکھو اسے یاد کر لو، تو یہ تین کام ہوئے :(۱) اچھی بات سننا، یعنی غلطی بات، جھوٹی بات، غیبت، اور چغل خوری کی بات وغیرہ نہیں سننا ہے۔

(۲) سننے کے بعد یاد کرنا۔ (۳) یاد کرنے کے بعد اس پر عمل کرنا۔

ماہنامہ ملّیہ

فیصل آباد
پاکستان

بفیض

قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

امیر غانی تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ

پیر طریقت حضرت سید نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

- عصر حاضر کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ۔

اس میں وہ سب کچھ جس سے ہر ایک مسلمان کا باخبر رہنا ضروری ہے۔

- بے لاگ تبصروں اور تحقیقاتی تجزیوں سے بھرپور
- نقطہ نظر کا کالم ہر لکھنے والے کے لئے
- آپ کے مسائل اور انکا حل
- طلباء، خواتین اور بچوں کے خصوصی صفحات
- حصہ شعر وسخن۔ جس میں حمد ونعت، نظم اور غزل۔
- تذکرۂ اکابر سے مزین تحقیقی مقالہ جات
- خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کی دعوت دے کر اس صدقۂ جاریہ میں شریک کریں۔

رابطہ کیلئے ماہنامہ ملّیہ جامعہ ملّیہ اسلامیہ محلّہ خالصہ کالج فیصل آباد
فون 041-8711569

www.milliafsd.com

MONTHLY MAGAZINE
Millia
JAMIA MILLIA ISLAMIA
FAISALABAD PAKISTAN
Reg:M # FD-16

MOHALLAH KHALSA COLLEGE FAISALABAD Ph:041-8711569
E-mail: milliafsd@yahoo.com Fax # 041-8502213

خانقاہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان

ماہنامہ

ملیہ

فیصل آباد پاکستان

کے گذشتہ شمارے
آن لائن پڑھیے

1430 H -2008
1431 H - 2009
1432 H - 2010
1433 H - 2011
1434 H - 2012
1434 H - 2013
1435H - 2014

انٹرنیٹ ایڈریس

www.milliafsd.com